ایچ ای سی سے منظور

ششماہی

الأضواء

محرم الحرام ۱۴۳۲ھ/دسمبر ۲۰۱۰ء • جلد نمبر ۲۵ شمارہ نمبر ۳۴

اسلامی سماجی علوم کا سہ زبانی تحقیقی مجلہ

شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب
لاہور۔ پاکستان

انتظام ریاست کا نبوی منہج

مستفیض احمد علوی*

ریاست کا لفظ اردو زبان میں عربی سے آیا ہے۔ یہ لفظ 'راس' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں سر یا چوٹی۔ لھذا ریاست سے مراد انسانی معاشرے کی تنظیم اور سربراہی ہے۔ عربی میں ریاسۃ، انگریزی زبان کے لفظ STATE کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ سٹیٹ کا لفظ انگریزی میں لاطینی زبان سے آیا، جسکے معنی قیام یا مقام کے تھے۔ یہ لفظ جرمن اور فرانسیسی زبان سے ہوتا ہوا، انگریزی میں اپنی موجودہ شکل میں مروج ہوا ہے۔ قدیم جاگیردارانہ نظام میں ایسے خطہ زمین یا مخصوص علاقے کو اسٹیٹ کہتے تھے جو ایک طاقتور زمیندار یا سردار کی ملکیت ہوتا تھا جسکی بنیاد پر وہ عوام پر اپنی حاکیت قائم رکھتا تھا۔

ریاست کا ادارہ دراصل انسانی اجتماعیت کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ضروریات زندگی اور آپس کے تعلقات کے نتیجے میں انسانی آبادیاں، آہستہ آہستہ منظم معاشروں کی شکل اختیار کر گئیں۔ انسانی معاشروں کی اس تنظیم میں، ضروریات زندگی نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اسی بنیاد پر مختلف پیشے وجود میں آئے، باہمی تعاون کے طریقے اور اصول بنائے گئے اور ان اصولوں کو لاگو کرنے کے لئے حکومت کا طریقہ وجود میں آیا۔ انسانی معاشرے کی اس ترقی کے ہر موڑ پر مذہب نے، ہدایت انسانی کا بنیادی فریضہ انجام دیا اور یوں انسانی آبادیاں منظم ریاستوں میں تبدیل ہو گئیں۔

ریاست کے آغاز اور ارتقاء کے سلسلہ میں ماہرین سیاست میں دو آراء زیادہ مقبول ہیں۔ ایک تو یہ کہ ریاست کی تخلیق خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی اجتماعیت کو محفوظ کرنے کے لیے کی۔ اولاد آدم نے انتظامی اختیارات اپنے بڑوں کو دیئے اور یوں پہلے مرحلے میں سرداری اور پھر بادشاہت کا نظام قائم ہوتا چلا گیا۔ اس نظریہ کی تفصیل رابرٹ فلمر Robert Filmer کی کتاب *Patriarcha* میں دیکھی جا سکتی ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر اٹھارھویں صدی میں مقبول ہوا، جس کے مطابق، قدیم انسانی گروہوں کے درمیان، پر امن بقائے باہمی کے جذبے کے تحت ایک 'معاہدہ عمرانی' طے پایا جس کے نتیجے کے طور پر ریاست معرض وجود میں آئی۔ اس نظریئے کی تفصیل روسو Rousseau کی کتاب *Social Contract* میں ملتی ہے۔

جہاں تک رابرٹ فلمر کے نظریہ تخلیق ربانی (Theory of Divine Origin) کا تعلق ہے تو اسکا ایک حصہ، حقیقت کے قریب ہونے کے علاوہ الہامی تعلیمات سے بھی مطابقت رکھتا ہے کیونکہ یہ تصور، قدیم الہامی کتابوں (یہودیوں اور عیسائیوں کی تورات اور انجیل) کے عہد نامہ قدیم (*Old Testament*) سے لیا گیا ہے۔ تاہم اس نظریے میں (خود فلمر جیسے مفکرین نے) تحریف کر دی اور بادشاہوں نے اس نظریے کو اپنے اقتدار کے جواز کے طور پر اور اسکو مضبوط کرنے کے لیے

---

*صدر شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ خواتین WISH رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

استعمال کیا۔اس تصور کو یوں پیش کیا گیا کہ بادشاہوں کا تقرر بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور اسی بنیاد پر ان کی مکمل اطاعت لازمی ہے۔یہاں تک کہ بادشاہ کو خدائی اختیارات سونپ دیئے گئے اور اسے 'ظل الٰہی' (خدا کا سایہ) بنا دیا گیا۔

قرآن مجید میں انسانی معاشرے کے آغاز، اس کی ابتدائی تنظیم اور انسانی تاریخ کے اہم سنگ ہائے میل کے بارے میں کئی مقامات پر، بہت اہم تبصرے کیے گئے ہیں۔اپنے نزول کے اعتبار سے قرآن سب سے آخری اور جدید کتاب ہے۔جس طرح اس کتاب کی حفاظت کی گئی ہے۔۔۔زبانی یاد کرنے کیصورت میں اور اپنی اصل زبان میں لکھ کر رکھنے کی شکل میں...... کسی اور الہامی کتاب کو اسطرح محفوظ نہیں کیا گیا۔متن قرآن کی حفاظت کے اس پہلو سے دیکھا جائے تو، انسانی تاریخ کے قدیم دور کے بارے میں، دنیا میں اسوقت، قرآن سے بڑھ کر کوئی اور معتبر حوالہ موجود نہیں ہے:

﴿لقد انزلناً الیکم کتباً فیه ذکرکم افلا تعقلون﴾(۱)

(لوگو) ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب بھیجی ہے، جس میں تمہارا ہی ذکر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟)

خصوصاً قوموں کے عروج وزوال کی داستان، انسانی معاشروں کے عمومی رویے، اور اس سلسلہ میں اللہ کی سنت کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔اس حوالے سے کتاب الٰہی کا اسلوب، کسی بھی سلیم الفطرت انسان کے لیے سبق آموز اصولوں سے مزین ہے۔ایک طرف تو اللہ کے منتخب کردہ مقدس انبیاء کی سیرۃ وسوانح بیان ہوئی ہیں اور دوسری طرف اہم قدیم انسانی قوموں کے اجتماعی کردار ورویے کی تفصیل سامنے آتی ہے۔

قرآن مجید میں، ماضی کا تذکرہ جس انداز میں کیا گیا ہے اس سے نہ صرف معاشروں کے زوال کے اسباب سامنے آتے ہیں بلکہ مستقبل میں انسانی عروج کے سنہرے اصول بھی واضح ہوجاتے ہیں۔انسانی تاریخ کے دامن میں کوئی اور ایسی منفرد کتاب 'یقیناً موجود نہیں ہے۔رسول خدا ﷺ سے زیادہ معتبر، اس سلسلے میں اور کس کی بات ہوسکتی ہے کہ:

"نزل القرآن علیٰ خمسة اوجه، حلال و حرام و محکم و متشابه و امثال"(مشکوٰۃ)

یعنی قرآن پانچ حقائق کیساتھ نازل ہوا؛ حلال وحرام، محکم ومتشابہ اور قوموں کی عبرت آموز داستانیں۔

انسانی معاشروں کے اس سارے تذکرے میں، قرآن مجید کا بنیادی موضوع، قوموں کے عروج وزوال اور ہدایت وگمراہی کے مختلف پہلو رہے ہیں۔اس کتاب ہدایت نے بتایا ہے کہ انسانی معاشروں کی ترقی اور عروج، اعلیٰ اخلاقی اقدار کے ساتھ وابستہ ہے۔یہ اعلیٰ صفات، رب کائنات پر ایمان اور اس کی اطاعت کے نتیجے میں انسان میں پیدا ہوتی ہیں اور ایسی شرائط پر پورے اترنے والوں کے لیے، اخلاقی اور مادی دونوں اعتبارات سے کامیابیاں ممکن ہوتی ہیں۔ماضی میں ایسے ہی ہوتا رہا ہے اور مستقبل کیلئے بھی اللہ کا وعدہ یہی ہے:

﴿وعد اللّٰہ الّذین امنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما الستخلف الّذین من قبلھم ولیمکّننّ لھم دینھم الّذی ارتضیٰ لھم ......الآخر﴾(۲)

''اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے، ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا''

دور جدید کی ریاست اور اسکے اجزا کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن کریم کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن مجید نے آج کی ریاست کے بنیادی عناصر یعنی خطہء زمین، آبادی یا قوم، حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔۔۔ سب کا ذکر، کسی نا کسی طور کیا ہے مگر اس سلسلہ میں کوئی لگا بندھا 'ماڈل' طے نہیں کیا بلکہ اسے انسانی بصیرت اور ضرورت پر چھوڑ دیا ہے کہ معاشرتی و سماجی احتیاج کی بنیاد پر انسان کا اجتماعی شعور، ریاست و حکومت کا جو نقشہ بنالے وہی موزوں ہے۔ تاہم ریاست و حکومت کے وہ بنیادی اصول جو کسی خوشحال، خوشگوار اور کامیاب و مفید، تہذیب و تمدن کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل سے بیان کر دیے گئے ہیں۔

قرآن مجید کے تعلیم کردہ تصور ریاست کے مطابق یہ ایک ذمہ دار افراد کا منظم معاشرہ ہے جو اپنا حقیقی مقتدر اعلیٰ خالق کائنات کو مانتے ہوئے اس کے عطاء کردہ اختیارات حکومت، اپنے میں سے اہل تر افراد کو سونپتے ہیں اور باہمی مشاورت سے اپنے معاملات میں بہتری کی مثبت کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو کر، ایک خوشگوار ماحول اور خوشحال معاشرہ تشکیل دیتے ہیں، جس میں انصاف کا بول بالا ہوتا ہے اور لوگ اپنے رب کی اطاعت کے لئے سازگار ماحول پاتے ہیں۔ ٹھیک یہی ہے وہ اصل مقصد جس کے لیے اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کو مبعوث کرتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم النّاس بالقسط......الآخر﴾(۳)

''تاکید ہم نے اپنے رسولوں کو صاف صاف نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا اور انکے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں......''

نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی قرآنی اصولوں کی روشنی میں مدینہ میں پہلی مثالی ریاست تشکیل دی جو رہتی دنیا تک کے لیے مثال بنی، آئندہ صفحات میں اسی ریاست مدینہ کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔

رسولؐ خدا کا انتظام ریاست:

نبوت کے تیرھویں سال، رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے یثرب کی طرف ہجرت کی۔ یہ مہاجرت بظاہر، قریش مکہ کی طرف سے جاری، ظالمانہ اقدام سے بچاؤ کا ایک مرحلہ معلوم ہوتی ہے۔۔۔ مگر، گہری نظر سے دیکھا جائے تو واضح ہوگا کہ دراصل یہ قدم رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی کا نہایت اہم حصہ تھا۔ سیاست و سماج کے بنیادی اصولوں کی بنیاد پر پرکھا جائے تو ہجرت مدینہ محض مجبوری کا ایک قدم نظر نہیں آتا بلکہ دوررس اثرات کا حامل ایسا منصوبہ معلوم ہوتا ہے جسے سوچ سمجھ کر عمل میں لایا گیا ہو۔

اس خیال کو مزید تقویت اسوقت ملتی ہے جب ہم ریاست مدینہ کے قیام و استحکام کے دس سالہ دور کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں، جسکی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے ہجرت نبویؐ کے نتائج کا مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ اس

قدم کے اٹھ جانے سے ایک طرف تو منتشر اور پریشان مسلمانوں کو ایک مرکز میسر آ گیا اور دوسری طرف اہم جنگی حکمت عملی ترتیب پا گئی۔ ایک نیا مرکز اس لئے بھی ضروری تھا کہ اگر قریش کے ساتھ دو بدو کشمکش مکہ ہی میں شروع ہو جاتی تو مخلوط مذہبی معاشرے میں وہ ایک خانہ جنگی کی شکل ہوتی۔ نبی کو دین وشریعت کی خاطر، ریاست کے دفاع کی اجازت اور جہاد کے حکم کے تحت، اپنی بسائی ہوئی دنیا کی حفاظت آسان ہو گئی۔ امت مسلمہ اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لیئے ضروری ماحول اور فضا میسر آ گئی، جس کے لیے رسول خدا ﷺ جدوجہد فرما رہے تھے۔ قرآن حکیم اور سیرت طیبہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ یہ سارا عمل قرآنی ہدایات اور آپ ﷺ کی اپنی تمناؤں کے مطابق ہوا۔ احادیث مبارکہ سے آپ کا خواب میں ہجرت دیکھنا ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مدینہ روانگی سے تین دن قبل آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ کو ان کے گھر جا کر خوشی سے بتایا کہ ہجرت کی اجازت مل گئی ہے (۴)۔

اس حوالے سے دیگر حقائق کے علاوہ سورۃ المزمل کا پہلا رکوع، جسکا نزول ابتدائی مکی دور کا ہے، قابل غور ہے۔ اسمیں ایک طرف تو رسولؐ خدا کے اپنے رب کیساتھ ربط وتعلق اور قربت کی مضبوطی پر زور ہے دوسری طرف اہل مکہ کو انکے حال پر چھوڑنے اور انکے معاملے کو اللہ پر چھوڑ دینے کی تاکید ہے اور یہ ضمانت دی گئی ہے کہ آپکو ایذاء دینے والوں کا بندوبست، اللہ تعالیٰ خود کرلے گا۔ آپؐ کے لیے یہ ضمانت موجود ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کام کے لیے، آپ مکہ کی سرزمین اور اہل مکہ کے محتاج نہیں ہیں بلکہ آپ کی وکیل ایسی ہستی ہے جو مشرق ومغرب اور زمین کی ساری وسعتوں کی مالک ہے۔ آپ اسی کو اپنا سہارا بنائیے، ضروری نہیں کہ اسی خطہ ارضی میں محدود رہیے، خدا کی زمین تنگ نہیں ہے، جب آپ کے لیے موزوں ہو، اچھے طریقے سے ان لوگوں سے رخصت ہو جائیے گا:

﴿ واذ کر اسم ربك و تبتل اليه تبتيلا رَبُّ المشرق والمغرب لا اله الّا هو فاتّخذه و كيلاً واصبر علىٰ مايقولون واهجرهم هجراً جميلاً ﴾ (۵)

''اپنے رب کے نام کا ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کے اسی کے ہو رہو۔ وہ مشرق ومغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، لھٰذا اسی کو اپنا وکیل بنالو اور جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں ان پر صبر کرو اور شرافت کے ساتھ ان سے الگ ہو جاؤ''

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ کے لیے ہجرت کرنے اور نئی دنیا بسانے کی ہدایت پہلے سے موجود تھی اور اسی کی عملی شکل مدینہ کی ریاست کی شکل میں سامنے آئی۔

اس سلسلہ میں معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم کی وہ رائے ہمارے اس تجزیے کی تصدیق کرتی ہے جو انہوں نے لفظ ہجرت کا مفہوم متعین کرنے میں پیش کی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ہجرت کا لفظ 'ہجر' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی جبشی اور بعض

دیگر سامی زبانوں، بلکہ خود قدیم عربی میں بھی شہر بسانے کے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کے معنی ابتداء سے ہی 'کسی بستی اور شہر میں جا کر آباد ہونا' کے تھے۔ سیرۃ النبی ﷺ اور خلافت راشدہ کے سلسلہ میں ہجرت کے معنی ہجرت مدینہ ہی نہ تھے بلکہ نومسلموں کا اسلامی علاقے میں آ کر اکٹھا ہونا اور مفتوحہ علاقوں میں مسلم آبادکاروں کا لے جا کر بسانا، اسی نام سے یاد کیا گیا۔اس اعتبار سے ہجرت مدینہ دراصل مسلمانوں کی نو آبادکاری کا عظیم منصوبہ تھی(٦)۔

رسول اللہ کی آمد سے قبل، قبائل کی تقسیم در تقسیم، اور اقتدار کی طویل کشمکش کیوجہ سے یثرب میں بدامنی جاری تھی۔ایسی صورت حال میں رسول اللہ ﷺ مدینے کے مضافاتی قریہ، قبا میں آ کے ٹھہرے، جہاں انصار کے بہت سے قبائل آباد تھے۔یعنی مدینہ کے وہ قبائل جو اوس اور خزرج کے نام سے مشہور تھے اور ہجرت سے قبل بیعت عقبہ کی صورت میں آپ کیساتھ ،نصرت اسلام کا عہد باندھ چکے تھے،اور آپ کی آمد کے منتظر تھے۔

قبا میں آپؐ نے اسلام کی پہلی مسجد تعمیر کی اور اپنی آمد کے چوتھے روز یثرب کے تمام مسلمانوں کو طلب فرمایا۔وہ مسلمان جو ہتھیار سجائے ہوئے حاضر خدمت ہوئے ان کی کل تعداد ایک سو تھی(٧)۔دو ہفتے قیام کے بعد، آپ شہر یثرب کی طرف روانہ ہوئے، راستے میں محلہ بنی سالم میں آپ نے سب سے پہلی نماز جمعہ ادا کی۔قبا سے یثرب تک راہ میں دونوں طرف انصار کی صفیں اور قطاریں آپ کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔مدینہ پہنچ کر آپؐ نے حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان میں رہائش اختیار کی۔

مدینہ، ہجرت نبوی ﷺ سے قبل 'یثرب' کے نام سے معروف تھا۔(یثرب بن قاید بن عبیل، پہلے آبادکار کے نام پر)۔ ہجرت کے بعد اس کا نام 'مدینة النبی ﷺ' مشہور ہوگیا۔اس عربی ترکیب کے معنی 'نبی کا شہر' ہیں۔ایک معروف مغربی محقق کے مطابق مدینہ آرامی زبان کے لفظ *Mandita* سے مشتق ہے(٨)۔ یہ لفظ لاطینی سے ہوتا ہوا، انگریزی زبان میں Mandate کے طور پر استعمال ہوا، اسی سے لفظ Mandated Territory بنا ہے جس کے معنی ہیں، کسی کی عملداری یا دائرہ اختیار میں شامل علاقہ یعنی *Area of Jurisdiction* ۔لہذا 'مدینة النبی' کا مطلب ہوا 'نبی کے زیر نگیں علاقہ'۔

معروف عیسائی مصنف فلپ حتی (Philip K. Hitti) کے بقول، یثرب میں آپ کا استقبال، بطور ایک معزز سربراہ *"As an honoured chief"* کے ہوا(٩)۔دیگر حقائق بھی شاہد ہیں کہ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی آمد ایک مہاجر کی بجائے ایک فرمانروا کی آمد تھی۔مثلاً بیعت عقبہ ثانیہ کے الفاظ واضح ہیں کہ آپ نے اہل یثرب سے عہد لیا تھا کہ وہ آپ کی اطاعت کریں گے۔اللہ کے دین کے لئے ہر حال میں کام کریں گے اور رسول خدا ﷺ کی حفاظت کریں گے(١٠)۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی، درج ذیل آیات میں آپ کو اقتدار اور ریاست کے حصول کی دعا سکھائی گئی:

﴿و قل رب أدخلني مدخل صدق و اخرجني مخرج صدق و اجعل لي من لدنك سلطنا نصيرا﴾(١١)

''اور دعا کرو کہ پروردگار، مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال

اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا دے“

تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ بات تو نبی ﷺ کا استقبال کرنے والی بچیوں تک کو معلوم تھی کہ آپ اللہ کے نبی کی حیثیت سے آرہے ہیں اور وہ، آپ ﷺ کا استقبال، آپ کو ایک مطاع اور فرماں روا مان کر، کر رہی ہیں، جیسا کہ ان بچیوں نے کہا:

أیها المبعوث فینا جئت بالأمر المطاع(۱۲)

ان حقائق سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ مکہ سے رسول خدا کی ہجرت مستقبل کے منصوبہ بندی کے بغیر نہیں تھی اور آپ کی یثرب میں آمد دراصل مسلمانوں کی نوآبادکاری اور اسلامی ریاست کے قیام میں سب سے اہم سنگ میل تھی جس کی بنیادیں بیعت عقبہ کے معاہدے میں رکھ دی گئی تھیں۔ یثرب کے قبائل میں سے اہم ترین قیادت نے نئی ریاست کے قیام کیلیے آپ کی سربراہی پر صاد کیا تھا لھذا آپؐ نے ہجرت کے مقاصد کو مدینہ کی اسلامی ریاست کی تعمیر اور امت مسلمہ کی تشکیل کی صورت میں حاصل کرلیا۔

ان حقائق کی روشنی میں دیکھا جائے تو تاریخ کا مطالعہ واضح کر دیتا ہے کہ شہر یثرب میں آپ کی آمد ایک سربراہ مملکت کی آمد تھی۔ اسی لیے آپ کا شایان شان استقبال کیا گیا اور اسی بنیاد پر یثرب کا نام مدینۃ النبی مشہور ہوا۔۔۔۔ یہ شہر نبیؐ دراصل ایسی شہری ریاست تھی جس کا انتظام نبی آخرالزماں کی سربراہی میں ترتیب پایا جو بذات خود تاریخ انسانی کا ایک انوکھا، منفرد اور مثالی واقعہ قرار پاتا ہے۔ رسول خدا کی اس کامیابی کے مختلف مراحل کا مطالعہ، اس لیے ضروری ہے تاکہ دین اسلام کو ماننے والے بالخصوص اور عالم انسانیت بالعموم تعمیر ریاست کے نبوی منہج سے آگاہ ہوں اور اپنے حال و مستقبل کی نقشہ گری انہی خطوط پر کر سکیں۔ لھذا، ہم آئندہ صفحات میں ریاست مدینہ کے قیام واستحکام کے مختلف مراحل کا تذکرہ مرحلہ وار کریں گے۔

ا۔ قیام ریاست:

سیرت النبیؐ کے مدنی دور کا مطالعہ، سیاسیات کے طالب علم پر واضح کرتا ہے کہ ہجرت کے بعد آپؐ نے قیام ریاست کی جدوجہد شروع کی اور ابتدائی طور پر جو کام کیے، وہ تاریخ نے یوں محفوظ کیے ہیں:

ا۔ یثرب میں ابو ایوب انصاریؓ کے گھر میں رہائش پذیر ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی پر سوار ہو کر مختلف آبادیوں اور قبیلوں کا جائزہ لیا اور نئی ریاست کے دارالخلافہ کی تعمیر کے لیے ایک جگہ منتخب کی جو جبل سلع کے نزدیک ہونے کی وجہ سے دفاعی اور سیاسی لحاظ سے مضبوط تھی (۱۳)۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بستی کے اردگرد کے علاقہ کو 'حرم' قرار دیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول حرم سے مراد Open City ہے یعنی ایسا شہر جس کے گرد جنگ ممنوع ہو۔ حرم کا سیاسی مفہوم یہ تھا کہ نوزائیدہ مملکت اسلامیہ کی حدود کا تعین ہو گیا (۱۴)۔

۳۔ حرم کی وجہ سے مدینہ میں خانہ جنگی اور انتشار ختم ہو گیا۔ 'حرمت' کی خلاف ورزی کرنے والا رسول اللہ ﷺ کے

سامنے جواب دہ تھا۔ میثاق مدینہ کی رو سے جوف مدینہ کی آبادیاں، قانونی طور پر نبی ﷺ کے زیرنگیں آ گئیں۔ یہی علاقہ تھا جہاں ابتداً اسلامی نظام نافذ کرنے کا عظیم تجربہ کیا گیا۔ یہ سرحدات بتدریج بڑھتی چلی گئیں اور کچھ ہی عرصہ بعد اسلامی سلطنت پورے جزیرۃ العرب پر محیط ہوگئی۔

۴۔ دارالخلافہ کے مرکز میں مسجد نبوی، ازواج مطہرات کے حجرات اور صفہ کا چبوترہ قائم ہوا۔

۵۔ مہاجرین کی آبادکاری کا نظام 'مواخاۃ' کے ادارے کے ذریعے عمل میں آیا۔ یہ اخوت ایک اخلاقی، روحانی اور سماجی بندھن کا ذریعہ بنی۔ مہاجر بوجھ نہیں بنے بلکہ کمانے والے ہاتھ بن گئے۔ یوں مستقبل کے معاشی اور سماجی مسائل کا حل تلاش کیا گیا۔

۶۔ عیدگاہ، قربان گاہ اور قبرستان کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہ مختص کی گئی۔ آنحضور ﷺ نے بیت الخلاء اور حمام کو رواج دیا جس سے طہارت و پاکیزگی کا اصول عام ہوا اور تہذیب و تمدن کا نیا سفر شروع ہوا۔

۷۔ دفاعی حکمت عملی کے تحت مدینہ کی پوری بستی کو فوجی چھاؤنی قرار دیا گیا، کسی بھی فرد کو جہاد کے لئے بلایا جا سکتا تھا۔ باقاعدہ فوجی مشقیں ہوتیں اور رسول اللہ ﷺ خود معائنہ فرماتے۔

۸۔ مدینہ کے بازار بھی مسجد نبوی ﷺ کے قریب آباد کروانے کے بعد آپؐ نے یہ فرمان بھی جاری کیا کہ: ھذا سوقکم لا خراج علیکم فیہ (۱۵)۔

آپؐ کے اس حکم سے منڈی میں چہل پہل شروع ہوگئی۔ اس طرح آپ ﷺ نے مال تجارت کی آزادانہ درآمد و برآمد کی اجازت دے کر بین الاقوامی آزاد تجارت کی داغ بیل ڈال دی۔ گویا کسی ریاست کے قیام کیلیے جو ضروری اقدام ابتدا ہی میں ضروری ہوتے ہیں، رسولؐ خدا نے مکمل احتیاط اور منصوبہ بندی کے ساتھ اٹھائے اور نتیجتاً پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آ گیا۔

۲۔ آئینی و قانونی بنیادیں:

مذکورہ بالا اقدام کے بعد، آپؐ اس نوزائیدہ ریاست کے دستور و آئین کی تشکیل کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپؐ نے تمام مسلمانوں (انصار و مہاجرین) کو جمع کیا اور بنیادی قوانین بنائے۔ پھر اڑھائی ماہ کے اندر ہی یہود مدینہ کے ساتھ مذاکرات کے بعد 'میثاق مدینہ' کے نام سے ریاست مدینہ کا تحریری دستور جاری کیا۔ اس میثاق کے ذریعے رسول خدا ﷺ نے اسلامی ریاست کو آئینی و قانونی بنیادیں فراہم کر دیں۔

میثاق مدینہ کو کتب تاریخ میں 'کتاب' اور 'صحیفہ' کے نام سے یاد کیا گیا ہے، جس کے معنی 'دستور العمل' اور 'فرائض نامے' کے ہیں (۱۶)۔ اس معاہدے کی دفعات اور مضمرات کے سلسلہ میں معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ:

اس دستور کے سب سے پہلے فقرے میں ایک اسلامی سیاسی وحدت کے قیام کا اعلان کیا گیا جس میں مہاجرین مکہ،

انصار مدینہ اور وہ لوگ جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں، شامل تھے۔ یہ سیاسی وحدت 'محمد النبی رسول اللہ ﷺ' کے احکام کی اطاعت کرے گی۔ حصہ اول کے سب سے آخری فقرے میں بھی اللہ کی حاکمیت اور نبی کی اطاعت کا اصول دہرایا گیا ہے۔ جنگ وصلح کو مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا۔ حسب سابق پناہ دہی کا حق انفرادی طور پر ہر چھوٹے بڑے کو دیا گیا اور وعدہ پناہ کو نباہنے کی ذمہ داری پوری امت پر رکھی گئی۔ آخری عدالت مرافعہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو قرار دیا گیا اور خون بہا کی ادائیگی کے لئے قدیم نظام بیمہ کی توثیق وتشریح کی گئی۔

حصہ دوم۔۔۔۔ یہودیوں سے متعلق ہے:

یہودیوں کے ساتھ یہ ایک جنگی حلیفی تھی کہ وہ ان سب سے لڑیں گے جن سے مسلمان لڑیں اور ان سب سے صلح کریں گے جن سے مسلمان صلح کریں۔ البتہ دینی جنگوں میں جو مسلمان اختیار کریں، یہودیوں کو ہاتھ بٹانے کی ذمہ داری نہ ہوگی۔۔ دس یہودی قبائل کا فرداً فرداً اور نام بنام ذکر کیا گیا اور ان کے حقوق کی مساوات تسلیم کی گئی۔ اس معاہدے کی رو سے آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کی بھی آخری عدالت مرافعہ کے فرائض انجام دیئے۔ ان کے شخصی قانون کے تحت فیصلے فرمائے۔ یہودیوں نے آپ ﷺ کو مقتدر اعلیٰ مانا اور حدود حرم کو تسلیم کیا۔

اس دستاویز میں ایک جگہ لفظ 'دین' برتا گیا ہے جس میں مذہب اور حکومت کا مفہوم بیک وقت پایا جاتا ہے اور دونوں کو یکجا کر کے منظم ومرتب صورت میں میثاق مدینہ نے ایک ریاست کی شکل دے دی (۱۷)۔

باون دفعات پر مشتمل اس دستاویز کے ذریعے، رسول خدا ﷺ نے چوبیس محلوں پر مشتمل، اندازاً دس ہزار آبادی کو ایک شہری ریاست کی صورت منظم کر لیا۔ ایک بوقلموں اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچکدار اور قابل عمل دستور کے تحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا۔ دستور ریاست کے نفاذ سے مدینہ، عملاً ایک ریاست میں تبدیل ہو گیا جسکی سربراہی رسول خدا کے پاس تھی۔

۳۔ انداز حکومت:

کسی بھی ریاست کی ہیئت حاکمہ یا حکومت اسکا انتہائی اہم حصہ ہوتی ہے۔ حکومت کے عناصر ترکیب اور اسکا انداز حاکمیت پورے تہذیب وتمدن پہ بہت گہرے اثرات رکھتا ہے۔ ریاست میں اقتدار اعلیٰ کس کے پاس ہے اور آئین ودستور کس فلسفے کے تحت روبہ عمل ہیں، عمال حکومت کا انتخاب کن بنیادوں پر ہوتا ہے اور عوام الناس کس حد تک حکومت میں شریک ہوتے ہیں۔۔۔ ان سب سوالوں کا جواب طرز حکومت کے مطالعے اور مشاہدے سے ہی ممکن ہے۔ آیئے اس مقدمے کی روشنی میں ریاست مدینہ کے انداز حکومت کا تجزیاتی مطالعہ کر کے دیکھتے ہیں۔

اقتدار اعلیٰ:

کسی ریاست میں سب سے بالا اختیار (جو سب پر حاکم ہو اور اسکے اوپر کوئی اور مقتدر نہ ہو) کا نام اقتدار اعلیٰ ہے،

آجکل کی ریاست میں یہ اختیار عوام کی اجتماعی ملکیت سمجھا جاتا ہے، جسے وہ انتخابات کے ایک نظام کے تحت اپنی نمائندہ حکومت کے حوالے کرتے ہیں۔ گویا جدید فلسفہ حاکمیت، کسی ریاست کے شہریوں کو ہی اس معاشرے کا مقتدر اعلیٰ تصور کرتا ہے۔ جب ہم مدینہ کی اسلامی ریاست کے طرز حکومت کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہاں اقتدار اعلیٰ نہ تو کسی فرد واحد کو حاصل تھا اور نہ ہی افراد کے کسی ادارے (*Forum*) یا افراد کی اکثریت (*Masses*) کو۔۔۔ بلکہ مقتدر اعلیٰ صرف اور صرف خالق کائنات کو تسلیم کیا گیا۔ محور وحی ہونے کے ناطے، رسول اللہ ﷺ کی ذات عالی صفات، اسکے عملی اظہار کا ذریعہ تھی۔ دستور ریاست یعنی میثاق مدینہ کا آغاز ہی اس حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے۔

ان دفعات کی بنیاد دراصل قرآن حکیم کی وہ آیات ہیں جن میں اعلان کیا گیا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا اصل مالک اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے، وہ بلا شرکت غیرے مقتدر و حاکم کائنات ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿قل اللّٰھمّ ملك الملك توء تی الملك من تشآء و تنزع الملك ممّن تشآء و تعزّ من تشآء و تذلّ من تشآء بیدك الخیر انّك علیٰ كلّ شیء قدیر﴾ (۱۸)

''کہو ! خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے، حکومت دے اور جس سے چاہے، چھین لے۔ جسے چاہے عزت بخشے اور جس کو چاہے، ذلیل کردے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے''

اس اصول کی عملی صورت یہ تھی کہ ایک طرف تو کتاب الٰہی کا بتدریج نزول ہو رہا تھا جس میں اجتماعی زندگی کے بنیادی اصول، ایک ایک کر کے سمجھائے جا رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی زمین پر اس کے نمائندہ خاص جناب محمد رسول اللہ ﷺ ان اصولوں کو بتدریج، نافذ کرتے جا رہے تھے۔ آپ نے فرمان جاری کیا کہ:

علیکم بکتاب اللہ ، أحلوا حلاله م حرموا حرامه۔ (۱۹)

''تمہارے لیے اللہ کی کتاب پر عمل لازم ہے، اسی کے فیصلے پر حلال اور حرام کا فیصلہ کرو''

آئین ریاست:

ریاست مدینہ میں جس کتاب کو اعلیٰ ترین دستور کی حیثیت دی گئی اس کا واضح فیصلہ یہ تھا کہ آئین و قانون کے بنیادی اصول وہی جاری و ساری ہوں گے جو رب کائنات نے عطا کئے ہیں اور اس کی عملی صورت رسول خدا تجویز فرمائیں گے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿إنا أنزلنا إلیك الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما أراك اللہ......الآخر﴾ (۲۰)

''بے شک ہم نے کتاب حق آپ پر نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلے کریں جیسے اللہ آپ کو دکھائے''

گویا اس حکم کے تحت آپ کو آئین خداوندی کی عملی تعبیر کا کام کرنا تھا۔ اس کی تشریح و تعبیر کے علاوہ اس کی روشنی میں آئین سازی کا مکمل اختیار بھی آپ کو حاصل تھا جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

﴿یأمرھم بالمعروف و ینھاھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث...الآخر﴾(۲۱)

''یہ رسولؐ) ان کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور بدی سے منع کرتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا اور ناپاک چیزوں کوان کے لیے حرام ٹھہراتا ہے......''

رسول خدا اس حیثیت میں ریاست مدینہ کے آئین ساز حکمران تھے اور دستوری طور پر آپ کی بات آخری بات اور آپ کا فیصلہ آخری فیصلہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسی ذمہ داری کے تحت قرآن کے احکام کی تشریح کر کے ان کی تنفیذ کا عظیم الشان کام کیا۔ مثلاً قیام صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کے قرآنی حکم کی روشنی میں نماز کو آداب و شرائط اور اوقات و فضائل کی تفصیل کے ساتھ فرض قرار دیا اور زکوٰۃ کو شرح اور نصاب کے ساتھ نافذ کیا۔ اس طرح آپؐ نے حدود قرآنی نافذ کرنے کی تفصیلی شرائط بتائیں اور ان حدود و تعزیرات کا عملاً نفاذ کیا۔ گویا اللہ کی فرمانروائی کتاب الٰہی کے تحت رسول خدا ﷺ کی حکمرانی میں قیام پذیر ہوئی۔ اس لیے کہ قرآن کا ارشاد ہے:

﴿فلا وربّك لا یومنون حتّٰی یحکّموك فیما شجر بینھم ثمّ لا یجدوا فی انفسھم حرجاًممّا قضیت و یسلّموا تسلیماً﴾(۲۲)

''پس نہیں تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے اختلاف میں تجھ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تو فیصلہ دے اس پر اپنے نفس میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں اور سر بسر تسلیم کر لیں''

معاہدہ بیعت:

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے خدائے بزرگ و برتر کے عطا کردہ اختیارات کو (بطور شارع اور شارح کے) استعمال کرتے ہوئے حاکیت الٰہیہ قائم کی۔ اس حاکیت کے قیام میں عوام الناس کی تائید و مرضی شامل کرنے کے لئے 'بیعت' کا ادارہ قائم کیا۔ معاہدہ بیعت دراصل ریاست کے باشندوں کی طرف سے حاکم وقت کی رضا کارانہ اطاعت اور شعوری محکومیت کے فیصلے کا اعلان تھا جس کی باقاعدہ آئینی و قانونی حیثیت متعین کی گئی۔

بیعة ،اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے سودا اور تجارت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جب کہ سلطان کے ساتھ اس لفظ کا استعمال دراصل حاکم کے ساتھ محکوم کے ،اقرار اطاعت کے معنوں میں ہوتا ہے(۲۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیروکاروں سے ،بیعة عقبة ثانیة ،۱۲ نبوی سے اس ادارے کا آغاز کیا جس میں آپ نے اہل یثرب کے بارہ منتخب نقیبوں کا تقرر کیا اور یوں یثرب میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی۔ معاہدہ بیعت کے الفاظ صراحت کرتے ہیں کہ یہ معاہدہ بظاہر حاکم وقت، رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکاروں کے درمیان ہے مگر اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ بندے کا عہد، اپنے رب کے ساتھ ہے جو بذریعہ رسول اللہ قرار پاتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت پر مہر تصدیق یوں ثبت کی ہے:

﴿إن الذين يبايعونك إنما يبايعون الله ......الآخر﴾ (٢٤)

شورائیت:

قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ اس کے دیئے ہوئے دستور و قانون کے بنیادی خدو خال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔تا ہم، اللہ تعالیٰ کا حکم رسول اللہ ﷺ کے لئے یہ ہے کہ وہ دستور کی فروعات وجزئیات سے متعلق معاملات اور دستور کے نفاذ کی حکمت عملی کے سلسلہ میں، اپنے پیرکاروں سے مشورہ ضرور کیا کریں(آل عمران ۳:۱۵۹) رسول اللہ ﷺ کے پیروکاروں کی اہم خصوصیت بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں مشورہ ضرور کرتے ہیں۔(الشوریٰ ۴۲:۳۸)

دستور قرآن کو اس کی اصلی حالت میں نافذ کرنے والی ہستی رسول اللہ ﷺ تھی۔اس دستور کے علمبردار، اس کو وسعت دینے والے اور اس کے لئے اپنا سب کچھ لگا دینے والے آپ ﷺ کے صحابہ کرام تھے۔آپ ﷺ ہر اہم موقع پر ان سے مشورہ کرتے اور فیصلے ان کے سپرد کرتے رہے۔آپؐ نے شوریٰ کے اجلاس کے لئے مکہ میں تو 'دار ارقـــــم' کو منتخب فرمایا جو پہلا 'دار الاسـلام' قرار پایا۔مدینہ میں آپ نے کھلے میدانوں اور مسجد نبوی کے صحن کو ایوان شوریٰ کے طور پر استعمال فرمایا۔آپ ﷺ ہر اہم معاملہ میں نمائندہ اہل ایمان کا اجلاس طلب کرتے اور مشاورت کے بعد فیصلہ فرماتے۔

اس سلسلہ کی چند مثالیں یہ ہیں: اذان کی ابتداء، سن ہجری کی ابتداء کے لئے شوریٰ، غزوات کے مواقع اور شورائے حدیبیہ......(۲۵)۔

عمال حکومت:

جوں جوں ریاست وسیع ہوتی گئی رسول اللہ ﷺ، انتظامی لحاظ سے اسے، چھوٹی اکائیوں میں تقسیم کرتے گئے، حتیٰ کہ چودہ صوبے قائم ہوئے۔ہر ایک صوبے کا حکمران رسول اللہ کا متعین کردہ والی ہوتا تھا۔یہ نمائندگان رسول ﷺ نہ صرف صوبے کے حاکم و والی ہوتے بلکہ وہاں ایک مبلغ دین اور معلم اخلاق کا فریضہ بھی انجام دیتے۔نمازوں سے لے کر لوگوں کے معاملات تک میں، حکمرانی کا فریضہ سرانجام دیتے۔ضرورت پڑنے پر آپ ﷺ کی طرف سے ان حکام کی تبدیلی و تبادلہ عمل میں آتا اور کارکردگی تسلی بخش نہ ہونے پر ان کا احتساب اور معزولی بھی عمل میں آتی۔

ریاست کے حسن انتظام کے لیے، رسول ﷺ کی یہ حکمت عملی کہ ریاست کو چھوٹی انتظامی اکائیوں میں تقسیم کردیا جائے بہت اہم تھی، جسے جدید سیاسیات کے ماہرین بھی غیر معمولی اہمیت دیتے ہیں۔رسول خدا نے، یہ اصول اس لیے اپنایا کہ عوام الناس کی رسائی سہولیات زندگی تک آسان ہو، عوام اور حکمرانوں کے درمیان فاصلے کم ہوں اور انتظامی امور چلانے میں آسانی ہو۔

عمال کی تقرری کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کو تفصیلی ہدایات دیتے جن میں ان کی ذمہ داری کا تعین، احساس ذمہ داری پر زور، اور فرائض کی تفصیل بیان ہوتی۔ان کی ذمہ داریوں میں شامل تھا، دعوت اسلام عام کرنا، دینی فرائض کی ادائیگی پر زور دینا،

زکوۃ کی وصولی اور حقداروں کو اسکی ادائیگی یقینی بنانا اور مظلوموں کی دادرسی کرنا۔رسول کریم کی اس سلسلے میں ہدایات کی ایک مثال ،معاذ بن جبل، والی یمن کے نام آپ کا وہ وصیت نامہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے:

"إنك ستأتي قوما من أهل الكتاب فادعهم إلىٰ شهادة أن لا إله إلا الله و إلى رسول الله فإن هم أطاعوا لذلك فاعلمهم أن الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم و ليلة، فإن أطاعوا لذلك فاعلمهم أن الله افترض عليهم تؤخذ من أغنيائهم و ترد إلى فقرائهم ، فإن أطاعوا لذلك فإياك و كرائم أموالهم و اتق دعوة المظلوم، فإن ليس بينهما و بين الله حجاب"(۲۶)

رسول کریم ﷺ کی ہدایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک والی ریاست کی ذمہ داریوں میں قانون کا نفاذ ، امن وامان، عام انتظام سلطنت، اشاعت اسلام، مقدمات کے فیصلے اور محصولات کی وصولی بھی شامل تھیں۔ان فرائض کی بجاآوری کے نتیجے میں ریاست کی جانب سے ان کو جو معاوضہ ملتا اس کی تفصیل ہمیں اس حدیث کی عبارت سے ملتی ہے، جو ابوداود نے نقل کی ہے:

من كان لنا عاملاً فليكتسب زوجه فإن لم يكن له خادم ، فليكتسب خادما و إن لم يكن له مسكن فليكتسب مسكناو من اتخذ غير ذلك فهو غال (۲۷)۔

''جو ہمارا عامل ہو اس کو اس کی ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے ،اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا ،اگر مکان نہ ہو تو مکان کا (خرچ) اس سے زیادہ اگر کوئی حاصل کرے تو وہ خائن ہوگا''

مالیات:

سیرۃ وتاریخ کے علاوہ علم الاقتصاد پر موجود ذخائر کتب کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ رسول خدا کی طرف سے مالیات کے نظام میں بہتری کے لیے کئی قدم اٹھائے گئے۔ اقتصاد و معاشیات کی بنیادیں اٹھانے کے لیے ،رسول اللہ ﷺ نے اجارہ داریوں کی حوصلہ شکنی کی اور اکتساب رزق کے لئے سب کو یکساں مواقع کی فراہمی کو یقینی بنایا، شخصی ملکیت کا حق (کچھ خاص شرائط کے ساتھ) اور مرد وعورت دونوں کو ان کی کمائی ہوئی دولت میں یکساں حق ملکیت عطا کیا۔ ایک طرف آپ ﷺ نے دولت کی گردش کا اہتمام کیا جس سے معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کو حق دیا گیا۔ دوسری جانب فضول خرچی اور بخل...... دونوں انتہائی رویوں کی حوصلہ شکنی کی تاکہ معاشی توازن برقرار رہے۔

ریاست کی آمدن اور اخراجات کے لیے شعبہ محاصل قائم کیا جس کا کام ریاست کے مالیات کا نظام سنبھالنا اور حسابات رکھنا تھا۔ یہ شعبہ مزید مختلف شاخوں میں تقسیم تھا۔ کسی کے ذمہ درختوں پر لگے پھلوں کا جائزہ، کسی کے ذمہ غنائم کی نگرانی اور کسی کے ذمہ صدقات وزکوۃ کا رکارڈ ہوتا۔ آپ نے مال غنیمت کی ذمہ داری کے لئے صاحب المغانم مقرر کیا۔

دیگر شعبہ جات میں، خمس رسول کے نگران، صاحب الجزیہ، صاحب الاعشار، متولی خراج اور ضامن وغیرہ کا تقرر کیا۔ آپؐ نے مختلف قبائل کے لئے محصلین زکوۃ وجزیہ مقرر کئے جو قبائل کا دورہ کر کے لوگوں سے صدقات وصول کرتے اور

ریاست کے مرکزی بیت المال میں جمع کرواتے۔ آنحضرت نے اپنے خاندان پر صدقہ وزکوٰۃ کا مال حرام قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصل مقرر نہیں ہوا(۲۸)۔

۴۔ استحکام ریاست:

تاریخ انسانی کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ کسی ریاست کے استحکام کا دارومدار عدل وانصاف کے قیام اور اسکے استقرار سے ہی ممکن ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ریاست کا مقصد وجود ہی قیام عدل ہے، لھذا کسی بھی منظم معاشرے کے مستحکم ہونے کی بنیاد یہ ہے کہ اس معاشرے میں نظام عدل اپنے پورے آداب وشرائط کے ساتھ نافذ ہو۔ قرآن پاک میں اسلامی ریاست کو عدل کے سلسلہ میں یہ حکم دیا گیا ہے:

﴿انّ اللّٰہ یامرکم ان تؤدّا الامانٰت الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل.....الآخر﴾(۲۹)

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل لوگوں کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کیساتھ کیا کرو‘‘

اسی طرح اللہ کی طرف سے رسولوں کے مقصد بعثت کی یوں وضاحت کی ہے:

﴿لقد أرسلنا رسلنا بالبینٰت و أنزلنا معھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط......الآخر﴾(۳۰)

’’تاکید ہم نے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ ہم نے انصاف کا پیمانہ اتارا تاکہ لوگ عدل پر قائم ہوں......‘‘

اس اعتبار سے رسول اللہ ﷺ بطور رسول خدا اور بطور سربراہ ریاست، عدل وانصاف کے قیام کے ذمہ دار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید آپ کو یہ اعلان کردینے کی ہدایت کرتا ہے: وامرت لاعدل بینکم....(الشوریٰ ۴۲:۱۵)(اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں)۔

یاد رہے کہ اسلام میں حکمرانی اور عدل وانصاف ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے حکمرانی اور منصفی کے لئے جو الفاظ استعمال کیے ہیں، انکا مادہ ایک ہی لفظ یعنی 'حکم' ہے۔ سربراہ ریاست کو 'حاکم' جبکہ منصف کو 'حکم' کہا جاتا ہے(۳۱)۔

شعبہ عدالت:

ریاست مدینہ کے حالات کا تحقیقی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ دور رسالت مآب ﷺ میں حکومت کا اہم ترین شعبہ عدالت تھا۔ مرکز یعنی مدینہ میں آپ ﷺ خود چیف جسٹس کے طور پر کام کرتے۔ آپ کی عدالت عالیہ میں چوبیس گھنٹے ہر قسم کے دیوانی

اور فوجداری مقدمات کی سماعت ہوتی۔عرب میں نظام عدل کے منتشر حصے کام کر رہے تھے۔جبکہ رسول اللہ ﷺ نے عدالت کو ریاست کا مرکزی معاملہ بنادیا اور دستور مدینہ میں اس کے قیام و اجراء کی بنیادیں رکھ دیں۔

سیرت رسول ؐ کے مطالعہ سے یہ بات کھل کے سامنے آتی ہے کہ آپ ؐ نے عدل کے قیام کے لیے اپنے اسوہ کو ایک مثال بنا کے پیش کیا اور اپنی ذات اور خاندان سے ہی عدل کے تقاضے پورے کرنے کا آغاز کیا۔ذیل کی مشہور حدیث مبارکہ جس کو دنیا میں ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے آپ ؐ کے اصول عدل کی وضاحت کرتی ہے:

"انّما ھلك من كان قبلكم انّهم كانوا يقيمون الحدّ على الوضيع و يتركون الشريف، والّذى نفس محمّد بيده لو انّ فاطمة(بنت محمّد) فعلت ذالك لقطعت يدها" (۳۲)

''تم سے پہلے جو اُمتیں گذری ہیں وہ اسی لیے تو تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کمتر درجے کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے تھے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے تھے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے،اگر محمدؐ کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اسکا ہاتھ کاٹ دیتا''

اس بنیادی اصول کی روشنی میں، جب ریاست مدینہ میں موجود عدالتی نظام کا تجزیہ کیا جائے تو درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں:

۱۔رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ صوبائی حکومتوں کے والیوں کو بطور جج کام کرنے کا بھی حکم تھا۔مثلاً عمر بن حزم جب یمن کے گورنر بنا کر بھیجے گئے تو انہیں تحریری ہدایت نامہ دیا گیا جس میں عدل و انصاف کی تاکید موجود ہے۔

۲۔ اہل کتاب غیر مسلموں کے مقدموں میں رسول اللہ ﷺ ان کے مذہب کے مطابق فیصلے فرماتے تھے۔یہ اصول بعد میں مستقل قانون کا درجہ اختیار کر گیا۔

۳۔انصار کے قبائل کی حد تک آنحضرت ﷺ نے ہجرت سے پہلے ہی بیعت عقبہ میں ہر ایک قبیلے کا ایک ایک نقیب مقرر کیا تھا جو اپنے قبیلے کی نمائندگی اور انکے باہمی نزاعات کے فیصلوں کا ذمہ دار تھا۔اگر کسی معاملے میں نقیب کا فیصلہ تشفی کا سامان نہ کرتا تو معاملہ آنحضرت ﷺ کے پاس آتا۔نقیب کے تحت ہر دس آدمیوں کا ایک افسر ہوتا تھا جسے عریف کہتے تھے(۳۳)۔

عدالتی اصلاحات:

شعبہ عدالت میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ بے مثل اصلاحات کا نفاذ ہوا۔جن میں انسانی جان اور عزت نفس کا احترام،حقوق انسانی اور وقار انسانی کا تحفظ شامل ہیں۔مثلاً آپ ؐ کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں ایک مسلمان نے ایک ذمّی کو قتل کر دیا تھا۔آپ نے نہ صرف قاتل کو قتل کرنے کا حکم دیا بلکہ غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کا اپنے آپکو ذمہ دار قرار دیا۔ایک دوسرے موقع پر آپ ؐ نے اعلان فرمادیا:

"الا من ظلم معاهداً او انتقصه او كلّفه فوق طاقته او اخذ منه شيأً بغير طيب نفس فا ناحجيجه يوم القيامة"(۳۴)

"خبردار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کریگا یا اسکے حقوق میں کمی کریگا یا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بارڈالیگا یا اس سے کوئی چیز اسکی مرضی کیخلاف وصول کریگا، اسکے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث بنوں گا"

دنیا کے عدالتی نظام پہ جس شخص کی نظر ہو اور وہ قرون وسطیٰ کی دنیا کے نظم عدالت سے بھی باخبر ہو تو وہ کچھ حیران کن عدالتی اصلاحات دیکھے گا جو آپؐ نے اس دور میں پہلی دفعہ متعارف کروائیں۔ آپؐ نے ایک طرف تو غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا اور دوسری طرف حاکم و محکوم کے لئے ایک ہی قانون عملاً نافذ کر دکھایا۔۔۔ یوں قانونی مساوات کا عملی مظہر پہلی دفعہ نظر آیا۔ وہ عدالتی اصلاحات جو آپؐ نے انسانی تاریخ میں پہلی دفعہ متعارف کروائیں، درج ذیل تھیں:

۱۔ عمد، مشابہ عمد اور خطا میں فرق کیا گیا اور جرم میں، مجرم کی نیت کے عمل دخل کو سب سے پہلے دیکھا گیا، ضمان کا قانون مقرر ہوا۔ ہرجانے کا معاوضہ رقم کیصورت میں مقرر ہوا، بے رحم انصاف کی جگہ استحسان کو عدالتوں میں رواج دیا گیا اور کسی زیادتی کی ذمہ داری کو 'شخصی' قرار دیا گیا، ایک کا بار، دوسرے پر لادنے کا سلسلہ نہیں، ۴۔ شک کا فائدہ ملزم کو دینا اور غلطی سے سزا دینے کی جگہ، غلطی سے رہا کرنا، اصولاً بہتر قرار دیا گیا، آپؐ نے ہدایات جاری کیں کہ: فإن الإمام أن يخطئ في العفو خيرا من أن يخطئ في العقوبة۔

"امام سے غلطی معاف کرنے میں ہو جائے تو بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ سزا دینے میں غلطی کرے"

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ 'جدت' بھی شروع کی کہ انسانوں کے سوا باقی سب مخلوق کو ذمہ داری سے بری کر دیا ورنہ عرب میں کوئی گدھا اور جانور بھی کسی آدمی کے ضرر اور ہلاکت کا باعث ہوتا تو ذمہ داری سے بری نہ ہوتا۔ آپ ﷺ نے صراحت فرمادی کہ: العجماء جبار و المعدن جبار و البئر جبار(۳۵)۔

۳۔ انصاف رسانی کے لئے قاضی کو صرف روداد پر فیصلہ کرنے کی تلقین کی گئی اور اپنی خانگی معلومات کو دخل دینے سے روکا گیا۔ دونوں فریقوں کا مؤقف سننے پر زور دیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے ہدایت کی: فلا تقض بينهم حتى تسمع من الآخر كما سمعت من الأول۔

آنحضرت ﷺ نے قانون کا یہ قاعدہ بھی مقرر فرمایا کہ ثبوت پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے۔ اگر مدعی ثبوت نہ دے سکے تو دعویٰ کے منکر یعنی مدعا علیہ سے قسم لی جائے۔ اس قاعدے کو بدلنے کی اب تک کہیں ضرورت نہیں سمجھی گئی: البينة على المدعي و اليمين على المدعیٰ عليه(۳۶)۔

۴۔ قانون شہادت کو تفصیلات کے ساتھ نافذ کیا گیا۔ قرآن کی ہدایات کے مطابق سزا یافتہ، گناہ کبیرہ کے مرتکب،

جھوٹے اور فاسق و بدکار کی شہادت غیر معتبر قرار دی گئی۔ تفتیش، تنقیح، شہادت اور جرح کے قواعد، گواہوں کی تعداد، عمر، مرد و عورت، مسلم اور غیر مسلم کی شہادت اور غیر ملکی مستامنوں کے عدالتی حقوق۔۔۔۔۔ سب کچھ کے تفصیلی قواعد کا اجراء ہوا۔ قاضیوں کے لئے تنخواہوں کا نظام بھی نافذ کیا گیا(۳۷)۔

۵۔ انگریزی قانون کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بادشاہ کے خلاف کوئی مقدمہ نہیں دائر کیا جا سکتا کیونکہ King can do no wrong لیکن۔۔۔۔۔ اسلام کسی انسان کو خطا سے مبرا نہیں سمجھتا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کہ آنحضرت ﷺ نے خود اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور مدعیوں کے حق میں فیصلے صادر کئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا کو اپنی ذات سے بدلہ دیتے دیکھا ہے:

" رایت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلّم یقید من نفسه" (۳۸)

تعلیمی منصوبہ:

قرآن پاک کی پہلی وحی (سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات) اقراء (یعنی پڑھنے کے حکم) سے شروع ہوتی ہے اور علم الانسان مالم یعلم (انسان کو وہ علم عطا کیا گیا جو اسکے پاس نہیں تھا) پہ ختم ہوتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں، کائنات میں پہلے انسان اور نبی، آدم کی فوقیت و برتری کی بنیاد اسکے علم کو قرار دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو ربّ زدنی علماً (اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما) کی دعا سکھائی ہے۔ علم کی اسی فضیلت کے پیش نظر، اسلام (اس سلسلہ میں دنیا کا واحد مذہب ہے) نے حصول علم کو رسولؐ کے ذریعے فرض قرار دیا۔ نبی آخرالزماںؐ نے جہاں انسانیت کو دین اسلام کے ذریعے، جاہلیت کی تاریکی سے نکالا وہاں تعلیم کے ذریعے معاشرے کو جہالت کے اندھیروں سے پاک کیا۔ ریاست مدینہ میں خواندگی اور اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں جو اقدام کیے گئے انکا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے بے شمار مصروفیات کے باوجود تعلیمی منصوبہ بندی کی طرف بھرپور توجہ دی اور ذاتی طور پر آپ اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ سعید بن العاص جو کہ خوشنویس تھے 'معلم حکمت' مقرر ہوئے جن کے ذمے لوگوں کو لکھنا سکھانا تھا۔ حضرت عبادہ بن الصامت کو، صفہ میں معلم مامور کیا گیا۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال بعد جنگ بدر میں گرفتار ہو کر آنے والے قیدیوں کے لئے رہائی کا یہ فدیہ مقرر کیا گیا کہ وہ مدینے کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔

۲۔ صفہ ۔ مسجد نبوی کے صحن میں ایک احاطہ جو دراصل ایک اقامتی درسگاہ کے طور پر شروع کیا گیا، اس میں قرآن، تجوید، فقہ اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم ہوتی۔ یہاں مستقل طور پر رہائش پذیر طلبہ کے علاوہ محدود وقت کے لئے پڑھنے والے بھی آتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی نگرانی فرماتے۔ خواتین کی تعلیم کے لئے آپ ﷺ نے ہفتہ میں ایک دن مخصوص کیا، جب مسجد نبوی میں صرف خواتین تعلیم کے لئے آتیں۔ اس سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمات بے مثال ہیں۔

۳۔قبائلی وفود اسلام قبول کرنے کی غرض سے جناب رسول اللہ ﷺ سے ملنے آتے تو آپ ان کے ساتھ کسی تربیت یافتہ صحابی کو بطور استاد روانہ کر دیتے تا کہ نومسلموں کی تعلیم کا اہتمام ہو۔ یہ صحابی اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے واپس آ جاتے۔ بیر معونہ کے مشہور واقعہ میں آپ ﷺ نے ستر قاری قرآنی تعلیم کے لئے روانہ کئے تھے(۳۹)۔

۴۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے معلمین اور علماء کو معاشرے میں عزت وتکریم کا اعلیٰ مقام عطا کیا حتی کہ انہیں انبیاء کا وارث قرار دے کر ان کے سماجی مقام کا تعین کیا۔ آپ نے معلمین و مدرسین کو طلبہ پر سختی سے احتراز کرنے اور لوگوں کے فہم کے مطابق ان کو بات سمجھانے کی ہدایت فرمائی۔

۵۔تحریر وکتابت کے سلسلہ میں نفاست وصفائی کے آداب بتائے۔کاغذ کو سیاہی خشک ہونے پر تہہ کرنے اور لکھنے میں تھوڑے وقفہ کے دوران میں قلم کان میں ر پر لگا لینے کے طریقے سکھائے (۴۰)۔

۶۔خطوط پر مہر لگانے کا رواج بھی سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے شروع کیا۔آپ کی مہر جس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا، سرکاری ہدایت نامے اور دستاویز پر ثبت ہوتی تھی۔اس کا عکس محفوظ ہے(۴۱)۔

۷۔مدینہ میں صفہ کے علاوہ کم از کم ۹ مسجد مکاتب 'سکولز' کام کر رہے تھے اور ہر محلے کے لیے تعلیمی راہنمائی جاری تھی۔ رسول اللہ ﷺ خود ان کا معائنہ کرتے اور ضروری ہدایات دیتے۔ جہاں تک نصاب تعلیم کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں کہ:

''ہر جگہ ایک ہی نصاب جاری تھا۔معینہ کتب پڑھانے کی جگہ معینہ معلم کے پاس لوگ جاتے اور وہ جو کچھ پڑھا سکتا تھا اس سے پڑھتے۔ بہر حال اتنا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کے ہمہ گیر نصاب کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نشانہ بازی ، پیراکی، تقسیم ترکہ کی ریاضی، مبادیٔ طب، علم ہیئت، علم انساب اور علم تجوید قرآن کی تعلیم دی جائے''(۴۲)

۵۔نظم معیشت:

قرآن کی معاشی تعلیمات، جزئی معاشیات اور کلی معاشیات کے تمام بنیادی اصولوں پر مشتمل ہیں۔ان میں اجتماعی ذرائع، محاصل اور مصارف سے لے کر انفرادی ذرائع آمدن وتصرف اور اکتساب رزق کی ہدایات تک۔۔۔ایک صاف ستھرا مکمل نظام موجود ہے۔قرآن نے انسانی سعی کو اقتصاد کی بنیاد قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں ریاستی مداخلت کو کم سے کم رکھا گیا ہے۔یہ دنیا کی واحد الہامی کتاب ہے جس نے معیشت اور اقتصادیات پر بھی تفصیل سے ہدایات مہیا کی ہیں، جو کہ رسول خدا کی معاشی حکمت عملی میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ جہاں تک اس سلسلہ میں قرآن حکیم کے عطا کردہ بنیادی اصولوں کا تعلق ہے، انکا خلاصہ حسب ذیل بنتا ہے:

۱۔اللہ نے زمینی وسائل انسان کے لیے پیدا کیے ہیں،۲۔اللہ انسانوں کے درمیان معیشتوں کی تقسیم اور تقدیر کا فیصلہ فرماتا ہے، ۳۔رزق اللہ کی عطا اور فضل ہے،اس نعمت کے لیے کوشش کی جائے، ۴۔رزق کے دو حصے ہیں؛ایک وہ جو ہر صورت میں مل کے رہیگا اور دوسرا انسان کی کوشش اور سعی کیساتھ وابستہ ہے، ۵۔اپنے نصیب کا حصہ وصول کرنا ہر ایک کا حق ہے، ٦۔انسان کے شایان شان یہ ہے کہ وہ پاکیزہ اور حلال کھائے، ۷۔اس سلسلہ میں ناجائز راستوں کا اختیار کرنا اللہ کی نافرمانی ہے، ۸۔ذرائع اور وسائل پر قبضہ کر کے بیٹھ جانا اپنے اور دوسروں کیلیے مہلک ہے، ۹۔ذرائع اور وسائل کے حصول اور انکے استعمال میں اعتدال ہی میں فلاح ہے، ۱۰۔محروموں اور سائلوں کے لیے حصہ نکالنا،صاحبان ثروت کیلیے لازم ہے، ۱۱۔یہ وسائل ایک خاص مہلت عمل کیساتھ انسان کو مہیا کیے گئے ہیں،۱۲۔ایک دن انسان کو اپنے رب کے سامنے ان نعمتوں کا حساب دینا ہے(۴۳)۔

ان اصول وضوابط کی روشنی میں،رسول اللہ ﷺ کی حکومت کی طرف سے،جو معاشی نظام ترتیب دیا گیا اسکی دو بنیادیں تھیں:

(ا)تمام خلق اللہ کا کنبہ ہے۔ (ب)تمام انسان اللہ کے نزدیک برابر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی ریاست میں یہ اہتمام کیا کہ ایک تو اللہ کے کنبے کا کوئی فرد کھانے ،لباس اور رہائش سے محروم نہ رہے اور دوسرا یہ کہ اللہ کے بندوں میں سب کو انسانیت کے تمام حقوق میں برابر سمجھا جائے۔یوں معاشی مساوات کو آئینی تحفظ دیا گیا۔

ذرائع آمدن،مدات محاصل:

عہد رسالت ﷺ میں عوام کے لئے انفرادی اقتصادیات کے ذرائع زراعت،تجارت،صنعت وحرفت،وراثت اور بیت المال تھے جبکہ ریاستی سطح پر آمدن مدات مندرجہ ذیل تھیں:

زکوٰۃ و عشر (التوبہ ۹: ۱۰۳) :سونا،چاندی،مال تجارت،تجارتی مکانوں،جانوروں اور زائد دولت پر۲ھ میں چالیسواں حصہ(صاحب نصاب کے لئے)اللہ کی راہ میں دینا فرض ہوا۔اس طرح مسلمانوں کو اپنے مال پاک رکھنے کا سلیقہ بتایا گیا اور اس حصہ مال کو معاشرے کے غریب طبقوں میں تقسیم کیا جاتا۔عشر،مسلمان کاشتکاروں پر عائد شدہ لگان تھا جو بارانی زمینوں پر فصل کا دسواں حصہ اور چاہی زمینوں پر بیسواں حصہ فرض تھا۔

مال غنیمت(الانفال ۸: ٤١) :کفرو اسلام کی جنگوں میں قیدی،عورتیں اور اموال وغیرہ کی وہ آمدن جو اتفاقی طور پر مسلمانوں کو حاصل ہوتی تھی۔مال غنیمت کا رواج قدیم عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا۔جناب رسول اللہ ﷺ،قرآن کی ہدایت کے مطابق اس آمدن کا ۴/۵ حصہ تو شرکائے جنگ کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم کرتے اور ۱/۵ حصہ بیت المال کے لئے محفوظ کرتے جسے 'خمس' کہا جاتا تھا اور یہ سربراہ مملکت کے لئے مختص تھا۔

خمس کے مصارف قرآن نے سورۃ الانفال میں یہ بیان کئے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ،رسول اللہ ﷺ،قرابت دار،مساکین اور

مسافروں کے لئے ہے۔ گویا یہ مال بنیادی طور پر ضرورت مندوں اور غرباء کے لئے ہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مذہبی بنیادی طور پر ضرورت مند عوام الناس کے اجتماعی مفاد کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ:

سربراہ مملکت کے لئے مال غنیمت کا جو ۵/۱ حصہ تھا اس کی بھی پانچ ذیلی مدات تھیں اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کا حصہ 'خمس' میں پانچواں تھا اور کل مال غنیمت میں پچیسواں۔۔۔ رحمۃ للعالمین ﷺ اپنے حصہ میں آنے والے اس مال کو مزید تین حصوں میں تقسیم کرتے: ا۔ اللہ کی راہ میں دیتے ۲۔ اپنے نائب کو عطا کرتے اور ۳۔ یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں بانٹ دیتے (۴۴)۔

فئے (الحشر ۵۹: ۵۔۸): وہ مال اور زمین جو بغیر جنگ کے ریاست کی ملکیت میں آ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایسے مال کو سرکاری سطح پر اللہ، رسول ﷺ، اہل قربت، یتامیٰ، مساکین، مسافروں اور مہاجرین پر صرف کیا جاتا۔ مثال کے طور پر بنو نضیر، بنو قریظہ اور خیبر کے علاقے کی زمین وغیرہ کو رسول اللہ ﷺ نے سرکاری ملکیت قرار دے کر مذکورہ بالا مدات میں خرچ کر دیا۔

خراج: زمین پر محصول جو غیر مسلمانوں سے وصول کیا جاتا۔ فتح خیبر کے موقع پر یہ رقم مجاہدین کی تنخواہوں اور دیگر قومی اخراجات کی مدات میں صرف کی۔(۴۵)

جزیہ (التوبہ ۹:۲۹): قرآن کی ہدایت کے مطابق غیر مسلموں سے ان کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کے معاوضہ میں ریاست مدینہ یہ ٹیکس وصول کرتی تھی جس کے بدلے میں انہیں عقیدے اور مذہب کی آزادی دی جاتی اور فوجی خدمت لینے سے مستثنیٰ رکھا جاتا۔

جزیہ، غیر مسلموں کے صرف آزاد مردوں پر واجب تھا، جب کہ اقلیتوں کے بچے، معذور، بوڑھے، عورتیں، غرباء و مفلسین اور فاتر العقل افراد سے وصول نہیں کیا جاتا تھا۔ اندھے، مفلوج، اپاہج اور راہب لوگ بھی اس سے مستثنیٰ تھے۔ اس ٹیکس کی وصولی میں بھی انصاف اور نرمی سے کام لیا جاتا اور نہایت محتاط رویے کے ساتھ وصول کیا جاتا۔ اگر کوئی 'ذمی' (جزیہ دینے والا غیر مسلم) مسلمان ہو جاتا یا ریاست کی کوئی خدمت بجا لاتا تو اس سے یہ ٹیکس ساقط ہو جاتا (۴۶)۔

صدقات کی ترویج:

اسلامی ریاست میں معاشیات کی بنیاد، مال و دولت کی گردش پر ہے۔ اسلام افراد ریاست کو دولت اکٹھی کرنے کی بجائے دولت تقسیم کرنے پر لگاتا ہے۔ قرآن نے جگہ جگہ انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم دی ہے۔ ریاست مدینہ میں، صاحبان مال و زر سے دولت کی وصولی اور ضرورت مندوں میں اس کی تقسیم کا اہتمام سرکاری سطح پر کیا گیا۔ کیونکہ قرآن نے زکوٰۃ کی حکمت یہ بتائی ہے کہ اس سے دولت کا بہاؤ غریبوں کی طرف ہوتا ہے۔ (الحشر ۵۹: ۷)

اس نظام کا ایک حصہ تو یہ تھا کہ ریاست، صاحب نصاب لوگوں سے اجتماعی معاشی نظام کے لئے لازمی طور پر حصہ

وصول کرتی جیسے زکوۃ وغیرہ۔۔۔دوسرا یہ تھا کہ صدقات کی ترویج کے ذریعے گردش دولت کا اہتمام اور معاشی طور پر کمزور لوگوں کو ،معاشرے کے ساتھ چلانے کی سعی ہر وقت جاری رہتی۔ رسول اللہ ﷺ نے صدقۂ فطر کا حکم زکوۃ کی فرضیت سے بھی پہلے دیا اور مسلمانوں میں سے ہر آزاد اور غلام مرد وعورت پر فرض کیا۔

صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور ترویج رسول اللہ ﷺ نے ایسے انداز سے کی کہ خود ہر وقت تقسیم ہی کرتے رہتے، لہٰذا لوگوں میں محروم طبقوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی معاشی ضرورتوں کا خیال رکھنا، مدنی معاشرے کا طرۂ امتیاز بن گیا (۴۷)۔ قرآن پاک کے قانون (التوبہ ۹: ۶۰) کیمطابق، رسول اللہ ﷺ نے صدقات کو مندرجہ ذیل مدات میں خرچ کرنے کا حکم دیا:

فقراء او مساکین (معاشی طور پر ناگفتہ بہ حالت میں گرفتار لوگ) عاملین زکوۃ (صدقات کی وصولی اور تقسیم کے کام پر مامور لوگ) مؤلفة القلوب (غیر مسلم اور مخالفین اسلام کے ساتھ بھلائی کے کاموں پر) في الرقاب (غلامی میں گرفتار مفلوک الحال طبقہ) غارمین (مقروضوں کی مدد قرض چھوڑ کر مرنے والے افراد کی اولاد کی کفالت) فی سبیل اللہ (دین اسلام کے پھیلاؤ اور ان افراد پر جو جہاد میں مصروف ہوں) ابن السبیل (مسافروں میں ضرورت مند لوگ)

اس تحقیقی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا نے، ریاست مدینہ کی طرف سے مجبور طبقوں کی کفالت، ہر پہلو سے یوں کی کہ آج کی فلاحی ریاست اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

آپ ﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ یاد رکھا جائے گا: أنا ولي من لا ولي له۔ جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست، اللہ اور اس کا رسول ہے (۴۸)۔

تاریخی اصلاحات معیشت:

علم معاشیات کا طالب علم جب ریاست مدینہ کی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ رسول خدا ﷺ کے معاشی اقدامات پہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ عوام الناس کی معاشی بہبود کے حوالے سے قرآنی احکام کی روشنی میں، رسول کریمؐ نے کچھ بے مثال معاشی اصلاحات کا نفاذ کیا جن سے تاریخ انسانی پہلے کبھی بہرہ ور نہ ہوئی تھی۔ اگر ہم تاریخ کی کتب سے اس سلسلہ میں استفادہ کریں تو درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ حلال وحرام کا قانون: اکتساب رزق اور دولت کے حصول کے ساتھ ان کے مصارف میں بھی ہدایت الٰہی کے تحت حلال وحرام کی تمیز اور حرام کی سختی سے ممانعت؛ مثلاً رشوت اور خیانت کی ممانعت، قحبہ گری اور زنا کی آمدنی کو حرام قرار دیا گیا۔ شراب کی صنعت، بت گری و بت فروشی، جواء و سٹہ وغیرہ کی حرمت کو قانونی شکل دے دی گئی۔

۲۔ ارتکاز دولت پر پابندی: مال جمع کرنے کی مذمت اور سرمایہ داری پر پابندی لگائی گئی تاکہ ہوسِ دولت اور دیگر اخلاقی

امراض سے معاشرہ پاک رہے، معیشت محنت کش کے لیے کھلی رہے۔

۳۔اقتصاد کا قانون: یعنی انفرادی واجتماعی سطح پر خرچ میں کفایت شعاری اور توازن کی کوششیں، فضول خرچی اور بخل کی مذمت وحوصلہ شکنی۔سرکاری سطح پر عیش پرستی اور شاہ خرچی پر سخت پابندی۔

۴۔سود کا خاتمہ: رسول اللہ ﷺ نے صدیوں سے جاری سودخوری کی قبیح معاشی بیماری کا خاتمہ قرآنی حکم (البقرۃ) کے ذریعے کیا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام سود ساقط کر دیئے۔ آپ ﷺ نے سود لینے اور دینے والے، اس کی دستاویز کے کاتب اور اس پر گواہی دینے والے سب کی سختی سے مذمت کی (۴۹)۔

۵۔قانون وراثت کا اجراء: عہد نبوی میں قانون وراثت کا اجراء ہوا اور عورتوں کو وراثت کا آئینی طور پر حقدار قرار دیا گیا جو کہ پہلے نہیں تھا۔اسی طرح، وصیت اور وقف کے اداروں کی اصلاح وتجدید کی گئی۔

۶۔زرعی اصلاحات: معدنی دولت اور بے کار زمینوں کو زیر استعمال لانے کے لئے۔ آپ نے فرمان جاری کر دیا کہ: جو شخص کسی زمین کو آباد کرے اور وہ کسی اور کی مملوکہ نہ ہو تو آباد کار اس کا زیادہ حقدار ہے: من احیاء أرضا لیست لأحد فهو احق بها (۴۸)۔

۶۔معاشرے کی تعمیر واصلاح:

مسلمانوں کی نوآبادکاری کا وہ سلسلہ جو ہجرت مدینہ کے ساتھ شروع ہوا تھا، ریاست مدینہ کے قیام اور استحکام کے ساتھ ساتھ جاری رکھا گیا۔مسلمان ہونے والے لوگوں سے اسلام لاتے وقت ہی تقاضا کیا جاتا کہ وہ مدینہ کی اسلامی ریاست میں آکر آباد ہو جائیں اگر پورے کا پورا قبیلہ مسلمان ہوتا اور ان کی رہائش مدینہ کی ریاست سے متصل یا قریب ہوتی تو اسے پھر اپنے ہی وطن میں رہنے دیا جاتا۔

اسلامی معاشرے کی تشکیل وتعمیر کیساتھ ساتھ اللہ کے رسول نے ثقافتی وتفریحی سرگرمیوں کو بھی فروغ دیا۔تعلیم و تربیت، نوجوانوں کو فنی تخصیص کی ترغیب اور کارکردگی پر انعام واکرام کا اہتمام فرمایا۔جسمانی ریاضت کے کھیل۔۔تیراکی، کشتی، دوڑ کے مقابلے، نیزہ ونشانہ بازی، تیراندازی اور وزنی پتھر اٹھانے کی مشقیں۔۔۔ان سب کے اہتمام میں رسول اللہ ﷺ کی دلچسپی تاریخ نے محفوظ کی ہے (۵۰)۔

عائلی زندگی کی تطہیر وتجدید:

ریاست مدینہ کے نظام معاشرت کا مطالعہ یہ حقیقت سامنے لاتا ہے کہ رسول خدا نے معاشرے کی بنیادی اکائی، خاندان کے ادارے کو استحکام بخشنے کے لئے، نئے قواعد وضوابط نافذ کئے تھے۔مرد وعورت کے مقدس معاشرتی معاہدے، نکاح کے تفصیلی احکام، نباہ، طلاق اور خلع کے مسائل، میاں بیوی کے باہم حقوق وفرائض اور والدین اور اولاد کے باہمی حقوق وفرائض کی تعیین کی گئی۔اس سلسلے کے تمام تفصیلی احکام قرآن پاک کی سورۃ البقرہ اور النساء میں موجود ہیں، ہم یہاں اختصار سے ان

بنیادی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں جنکی روشنی میں قرآن نے ایک معاشرتی انقلاب برپا کر دیا تھا:

۱۔مرد و عورت کی پیدائشی بنیاد ایک ہے، ۲۔اپنے اعمال کے نتائج کے لحاظ سے برابر ہیں، جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں، ۳۔اللہ کی نشانیوں مین سے ہے کہ اس نے تمہارے جوڑے بنائے ہیں جو تمہاری معاشرت میں سکون، محبت اور رحمت کی بنیاد ہیں، ۴۔جسطرح مرد کے حقوق عورت پر ہیں اسیطرح عورت کے حقوق مرد پر ہیں، ۵۔البتہ مردوں کو عورتوں پر گھر کے معاملات میں ایک درجہ کی فضیلت حاصل ہے، وہ خاندان کے معاملات کے نگران ہیں، ۶۔مردوں پر لازم ہے کہ وہ ان سے شایان شان سلوک کریں اور عورتوں کے لیے لازم ہے کہ وہ گھر سنواریں، جاھلیت اور گمراہی کی تہذیب نہ اپنائیں، ۷۔دونوں کیلیے لازم ہے شرم و حیا کا دامن تھامے رکھیں اور اپنے خاندان کو پاکیزہ معاشرت کی بنیاد بنائیں، ۸۔عورتوں کو تمام معاشرتی، معاشی اور تمدنی حقوق مکمل شکل میں پہنچائے جائیں، ۹۔خاندان معاشرت کی اکائی ہے، والدین اولاد کو ہلاکت سے بچائیں، رحمت اور شفقت سے انہیں اچھا انسان بنائیں، اور رزق کی تنگی کے ڈر سے انہیں قتل نہ کریں، ۱۰۔ اولاد، والدین کے حقوق کی پاسداری کرے، احسان کا سلوک کرے اور انکے لیے اللہ کی رحمت کی دعا کرے(۵۱)۔

تاریخ انسانی کے تجزیاتی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معاشرے کے اندرونی استحکام کیلیے رسول اللہ کی طرف سے عمل میں آنے والی یہ پہلی کامیاب کوشش تھی جس نے عورت کو محترم مقام دیا اور اولاد کو زندگی کے تحفظ کی ضمانت فراہم کی۔آپ کی نافذ کردہ سماجی اصلاحات سے عورت کے قدرتی حقوق بحال ہوئے۔۔زندگی کے معاشی، معاشرتی اور جنسی پہلوؤں سے تاریخ انسانی میں پہلی دفعہ اس کے حقوق کا تعین، آئینی تحفظ کے ساتھ ہوا۔قتل اولاد کی قبیح رسم ختم کی گئی، جس کے تحت کبھی مذہبی عقائد کی بنیاد پر نوجوان اولاد کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا اور کبھی معاشی تنگی کی بنیاد پر بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔رسول خدا ﷺ کے قائم کردہ معاشرے میں ان اصلاحات کے نتیجے میں اولاد اور والدین کے درمیان اتحاد، محبت، احترام اور ہم آہنگی کے جذبات پختہ ہو گئے۔

قانون وراثت کا نفاذ:

ریاست مدینہ میں قانون میراث وترکہ اور وصیت کے ذریعے معاشرے کے کمزور افراد کے معاشی حقوق منضبط کئے گئے تھے۔ابتدائی پانچ سالوں میں قوانین میراث، پوری تفصیل کے ساتھ نافذ ہو چکے تھے جن کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔مرنے والے کے ذمہ قرض ہو تو سب سے پہلے اس کے ترکے میں سے وہ ادا کیا جائے پھر کوئی وصیت اگر اس کی ہو تو پوری کی جائے۔اس کے بعد وراثت تقسیم ہوگی، ۲۔مرنے والا مرد ہو اور اس کی اولاد ہو تو اس کی بیوی کو ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔اگر اولاد نہ ہو تو بیوی کو چوتھائی حصہ۔۔میت عورت ہو اور اسکی اولاد نہ ہو تو شوہر کو نصف ترکہ، اگر اولاد ہو تو شوہر کو چوتھائی، ۳۔میت کی (اولاد ہو یا نہ ہو) بھائی بہن ہوں تو والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا۔بھائی بہن بھی نہ ہوں تو بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو ملے گا۔اگر زوجین میں سے کوئی بھی نہ ہو تو سارا ترکہ۔۔۔والدین

میں اسی اصول کے تحت تقسیم کر دیا جائے گا، ۴۔ والدین اور بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد ترکے کی وارث میت کی اولاد ہے۔ مرنے والے کی دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں (اور کوئی لڑکا نہ چھوڑا ہو) تو انہیں بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا۔ ایک ہی لڑکی ہو تو وہ اس کے نصف کی حقدار ہوگی۔ میت کی اولاد میں صرف لڑکے ہی ہوں تو یہ سارا مال ان میں تقسیم ہوگا۔ لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا ۵۔ اولاد نہ ہونے کی صورت میں میت کے بھائی بہن اولاد کے قائم مقام ہوں گے۔ والدین اور بیوی یا شوہر موجود ہوں تو ان کا حصہ دینے کے بعد میت کے وارث یہی ہوں گے۔ ذکور و اناث کے لئے ان حصوں کی تقسیم کا وہی طریقہ ہوگا جو اولاد کے لئے بیان ہوا ہے (۵۲)۔

قوانین میراث کی تاریخ سے واقف بہ آسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ اسلام نے انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ، قانون وراثت کی تفصیلات نہ صرف مہیا کیں بلکہ ان پر عملدرآمد کو یقینی بنانے کیلیے رسول خدا کی قائم کردہ ریاست میں ایک عملی نمونہ پیش کیا۔ قرآن نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ یہ ضابطہ، اللہ کی قائم کردہ حدود کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کے لیے دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں فلاح اسی سے ممکن ہے۔

حلال وحرام کی تعیین:

قرآن نے رسول اللہ ﷺ کا ایک مقام (الاعراف ۷: ۱۵۷) یہ بتایا ہے کہ آپ ﷺ بطور رسول اور حاکم یہ اختیار رکھتے ہیں کہ حکم خداوندی کی روشنی میں، افراد معاشرہ کے لئے مأکولات و مشروبات (کھانے اور پینے والی اشیاء) سے لے کر عبادات و معاملات تک حلال وحرام کی تعیین (پاکیزہ چیزوں کو جائز قرار دینا اور ناپاک چیزوں کو ناجائز قرار دینا) کے ذمہ دار ہیں تاکہ معاشرہ کی تعمیر حکم الٰہی کے تحت ہو سکے۔

رسول اللہ ﷺ نے ریاست مدینہ میں طیبات (جو اپنے ظاہر، باطنی مزاج اور اپنی سرشت کے لحاظ سے پاکیزہ، معتدل، صحت بخش اور نافع ہوں) کو حلال و جائز قرار دیا اور خبیثات (وہ چیزیں جو اپنے مزاج، سرشت اور انسانی طبیعت پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے نقصان دہ اور مفسد ہوں) کو ناجائز اور حرام قرار دیا۔ عرب میں آپ ﷺ سے پہلے یہ تمیز قائم نہ تھی۔ بعض مأکولات کو تو ہم پرستانی رسوم کی بنیاد پر، دسترخوان سے دور رکھا جاتا اور بعض مرداروں اور حشرات الارض تک کو، بغیر کراہت سے کھایا جاتا جبکہ رسول خدا نے تمام درندہ جانور اور پنجہ دار پرندے حرام قرار دیئے۔

شراب نوشی اور سود خوری کو حرام قرار دے کر معاشرے کو ان دونوں مضر صحت اور مضر معیشت عناصر سے پاک کر دیا گیا۔

اسی طرح مرد و عورت کے معاشرتی اور ازدواجی تعلق میں بھی 'محرمات' کا تعین کیا گیا، جیسا کہ قرآن پاک میں تفصیلی ہدایت موجود ہے (۴۲)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان اصولوں کی خلاف ورزی پر موت اور ضبطیٔ جائداد کی سخت سزائیں دیں۔

قرآن نے اسلامی ریاست کی لازمی خصوصیت (آل عمران ۳: ۱۰۴) یہ قرار دی ہے کہ اس کا کام معاشرے میں

اچھائیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے لوگوں کو روکنا ہے۔ اسی طرح یہ بھی قرار دیا گیا ہے کہ اسلامی اجتماعیت کا ایک حصہ اسی کام پر مسلسل لگا رہے کہ وہ معروف (اخلاقی فضائل) کا نفاذ عام کرے اور منکر (اخلاقی رذائل) کو روکنے کا اہتمام کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی ریاست میں صیغۂ احتساب کے تحت اس کا اہتمام کیا کہ لوگوں کے اخلاق کی نگرانی و اصلاح کا کام کیا جائے، حکام کی تربیت اور ان کے محاسبے کا مسلسل انتظام ہو اور لوگوں کو مذہبی فرائض کی ادائیگی پر ابھارا جاتا رہے اور منفی سرگرمیوں پر سرزنش کی جاتی رہے۔ اس سلسلہ میں عملی اقدامات یہ کئے کہ عمال کی تقرری میں باصلاحیت، بے لوث، باکردار اور مخلص افراد کو ترجیح دی۔ تجارتی بدعنوانیوں کے انسداد کا اہتمام کیا۔ آپ خود بازاروں اور منڈیوں کا دورہ کر کے ایسے معاملات کی چھان بین کرتے۔ تنبیہ اور ضروری کاروائی ہوتی۔

ناپ تول میں کمی، دھوکہ وفریب نرخوں میں بے جا اضافے۔ ایسی چیزوں پر تجار کا احتساب کیا جاتا۔ آپ ﷺ نے بازار کے محتسب بھی مقرر کئے۔ بعض اوقات عورتیں بھی کوڑا لے کر گھومتیں اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتیں (۵۳)۔

حدود وتعزیرات کا نفاذ:

رسول خدا ﷺ نے معاشرے کو تخریب اور تباہی کی طرف لے جانے والے جرائم سے پاک کرنے کے لئے قرآن کریم کی ہدایات کی روشنی میں جن عبرتناک سزاؤں کا نفاذ کیا وہ اسلامی اصطلاح میں 'حدود' کہلاتی ہیں۔

لفظ 'حد' لغوی اعتبار سے 'الحاجز بین الشیئین' (دو چیزوں کے درمیان حد فاصل کے طور پر آ جانے والی چیز'' کا نام ہے جبکہ فقہاء کی زبان میں اسے 'عقوبة مقدرة تجب حقا للّٰہ' (اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر واجب ہو جانے والی سزا) کہتے ہیں (۵۴)۔ انسانی اجتماعیت میں فتنے کا باعث بننے والے بڑے جرائم کی سزاؤں کے لئے 'حدود' (اللہ کی متعین کردہ سزاؤں) کا نفاذ ہوتا ہے۔ باقی جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید کے تحت عمل میں لائی جاتی ہیں جنہیں 'تعزیرات' کہا جاتا ہے۔

قرآن کریم نے انسان کے قتل کو انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والے سے بدلے کی حد 'قصاص' مقرر کی ہے۔۔۔ قتل وغارت، اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے خلاف بغاوت اور فتنہ وفساد کے مرتکب افراد کے لئے قرآن نے موت یا جلاوطنی کی سزا مقرر کی ہے۔ علاوہ ازیں جو جرائم قابل حد قرار دیئے گئے ہیں ان میں زنا، ارتداد، قذف (زنا کی تہمت لگانا) شراب نوشی، چوری، ہم جنسی، بغاوت، رہزنی، جانوروں کے ساتھ مباشرت وغیرہ شامل ہیں۔ رسول خدا ﷺ نے، قصاص کے ۲۷، حدود کے ۱۸، چوری کے ۱۵، شراب نوشی کے ۸، اور قذف کے ۲ فیصلے صادر فرمائے (۵۵)۔

حاکم مدینہ نے ناقابل معافی جرائم میں جس طرح سخت سزائیں نافذ کیں اس سے بڑھ کر اس بات کا اہتمام فرمایا کہ ایک طرف تو بے لاگ انصاف کا دامن کہیں بھی نہ چھوٹے اور دوسری طرف حد کے اجراء میں حد درجہ احتیاط برتی جائے۔

۷۔امور خارجہ اور معاملات دفاع:

ریاست مدینہ کا مطالعہ امور خارجہ اور امور دفاع کے حوالے سے بھی منفرد اصول سامنے لاتا ہے۔اسوۂ رسولؐ سے دور جدید کے حوالے سے جو فکر انگیز روشنی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی خارجہ پالیسی میں امن، صلح اور بین الاقوامی معاہدوں کو بنیاد بنایا۔آپؐ نے دوست بڑھانے اور دشمن کم کرنے پر توجہ رکھی۔اگر کسی ناگزیر جنگ کا سامنا کرنا پڑا تو اس میں سے امن و سلامتی کے سارے ممکنہ ذرائع کو پہلی ترجیح میں رکھا۔

مدینہ کی اسلامی ریاست کے گرد، رسول خدا ﷺ نے ابتداء ہی سے ایک دفاعی حصار قائم کر لیا تھا اس طرح مدینہ کی منتشر آبادی ایک مرکزی حکومت کے تحت آ گئی۔اس سلسلہ میں آپ نے درج ذیل اقدام کیے:

۱۔ہجرت کے چند مہینے بعد ہی مدینے کے جنوب مغربی حصے اور ساحل سے ملے ہوئے علاقوں میں، آپ بار بار تشریف لے گئے اور قبائل جہینہ، بنی ضمرہ، بنو مدلج، بنو غفار، بنی مزینہ، بنو عامر، بنو خزاعہ، بنو اسلم، قضاعہ وغیرہ سے دفاعی و سیاسی معاہدے کئے گئے۔معروف معاہدوں میں معاہدہ جہینہ، معاہدہ حدیبیہ، معاہدہ ثقیف، دومۃ الجندل اور معاہدہ نجران شامل ہیں(۵۶)۔

۲۔بعض معاہدوں میں کچھ قبائل نے حضور ﷺ کے دشمنوں سے دوستی نہ رکھنا قبول کیا، بعض قبیلے غیر جانبدار رہنے پر تیار ہوئے اور بعض کے ساتھ، کسی بھی حلیف پر حملہ ہونے کی صورت میں مشترکہ دفاع کا فیصلہ قرار پایا۔اس طرح دشمنوں میں کمی اور دوستوں میں اضافے کی حکمت عملی اپنا کر رسول اللہ ﷺ نے خارجی امور کو اپنے حق میں کر لیا۔

۳۔امور خارجہ یعنی بیرون ممالک سے خط و کتابت، سفارت کاروں کا تقرر اور معاہدات کے لئے باقاعدہ ایک شعبہ قائم کیا گیا جس کا کام ان معاملات کی نگرانی کرنا تھا۔اس شعبہ میں غیر ملکی زبانوں کے ماہرین، مترجمین، ترجمان اور قلمکار شامل تھے جن میں عبداللہ بن ارقم اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما خاص طور پر قابل ذکر ہیں(۵۷)۔

۴۔امور خارجہ اور نبوی سیاست کا شاہکار، صلح حدیبیہ ہے جسے قرآن فتح مبین اور نصر عزیز (الفتح ۴۸:۱،۳) قرار دیتا ہے۔اس معاہدے میں بظاہر، مسلمان قریش کی منہ مانگی شرائط قبول کرتے گئے، جس پر کئی صحابہ نے بے چینی کا اظہار بھی کیا مگر آخر کار اس سے جو فوائد حاصل ہوئے وہ نگاہ نبوت سے پوشیدہ نہیں تھے، لہٰذا آپؐ نے ایک طرف اس کے ذریعے امن و امان کی ضمانت حاصل کر لی دوسری طرف قریش کے سارے مطالبے مان کر ان کی مخالفت کے سارے ہتھیار بیکار کر دیے۔اسطرح یہ معاہدہ، اشاعت اسلام اور فتح مکہ کا پیش خیمہ بن گیا۔

۵۔۶ اور ۷ھ میں رسول اللہ ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور قبائلی سرداروں کے نام خطوط ارسال فرمائے۔آپکی سرکاری دستاویزات کی تعداد تقریباً سوا دو سو تک ہے۔حبشہ کے نجاشی، بازنطینی حکمران، قیصر، ہرقل، ایرانی بادشاہ خسرو پرویز، بحرین کے حاکم منذر اور مصر کے مقوقس کے علاوہ کئی حکمرانوں کو خطوں میں یہ واضح کیا کہ اسلام کے نظام حیات سے وابستہ ہو جانے میں

بھلائی، عزت اور سلامتی ہے۔مثال کے طور پر قیصر روم کے نام آپ کا مکتوب ملاحظہ ہو:

بسم الله الرحمٰن الرحيم ٥ من محمّد عبدالله و رسوله الىٰ هرقل عظيم الرّوم، سلام علىٰ من اتّبع الهدىٰ، امّا بعد فانّي ادعوك بدعاية الاسلام، اسلم تسلم يوتك الله اجرك مرتين فان توليت فان عليك اثم الا ريسين و ياأهل الكتاب تعالو الىٰ كلمة سواء بيننا و بينكم الّا نعبد الّا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتّخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون الله فان تولّوا فقولوا اشهدوا بانّا مسلمون (۵۸)۔

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد (ﷺ) کیطرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے، اسکو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے، اسکے بعد میں تجھکو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لا ۔ ۔ ۔تو سلامت رہے گا، خدا تجھ کو دوگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے......اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔)

۶۔رسول اللہ ﷺ حسب ضرورت سفارتوں کا تبادلہ کرتے رہتے مثلاً سفارت بنی ثقیف، بنی تمیم، بنی سعد، بنی طے اور بنی زبید وغیرہ اسکی مثالیں ہیں۔اسی طرح امراء و ملوک کو تحائف روانہ کرتے۔ دیگر ریاستوں کے سفارت کار آتے تو ان کا استقبال، عزت و تکریم اور مہمان نوزی کا اہتمام ہوتا(۵۹)۔

۷۔مؤرخین نے ۹ھ کو 'سنة الوفود' یا 'عام الوفود' کا نام دیا ہے(۶۰) کیونکہ ۸ھ میں فتح مکہ کی عظیم الشان کامیابی کے بعد ہر جانب سے مختلف قبائل کے وفود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے۔قرآن نے سورۃ النصر میں اس حقیقت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ان وفود کے ذریعے اسلامی دعوت اور ریاست کا تیزی سے پھیلاؤ شروع ہوگیا۔

۸۔قرآن مجید میں سرکاری اہتمام کے تحت اخراجات کی جو مدات مقرر کی گئی ہیں ان میں محتاجوں اور مسکینوں کے ساتھ ایک اہم مد 'مولفة القلوب' بھی دی گئی ہے۔(التوبہ ۹:۶۰) لہذا لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے سرکاری خزانے میں سے ایک حصہ مختص کرنا، اسلامی سیاست کا ایک اہم اصول رہا ہے۔فتح مکہ سے قبل قحط پڑنے پر اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ نے پانچ سو اشرفیوں کی امداد روانہ کی تھی۔اسی طرح مدینہ کی اسلامی ریاست میں نومسلموں کو بڑے بڑے انعام و اکرام دیئے جاتے، ان کے اعزاز ملحوظ رکھے جاتے اور ہر طرح ان کو محسوس کرایا جاتا کہ صرف روحانی اور اخروی ہی نہیں، دنیاوی اور مادی حیثیت سے بھی ان کا جدید مذہب ان کے لئے سراسر مفید ہے(۶۱)۔

دفاعی منصوبہ بندی اور آداب جنگ:

مدنی زندگی کے دس سالوں میں اسلامی ریاست کے ارتقاء کے دوران رسول خدا ﷺ نے قرآن کی روشنی میں مندرجہ ذیل اصولوں پر دفاعی منصوبہ بندی کی بنیاد رکھی:(۶۲)

۱۔ انسانی جان کا احترام ۲۔ امن، انصاف اور قانون کی بالادستی

۳۔ نظام تمدن کی حفاظت ۴۔ اجتماعی فتنے کا استیصال

۵۔ ظلم وتعدی کا مؤثر جواب ۶۔ مدافعانہ ومصلحانہ جنگ

۷۔ راہ حق کی حفاظت ۸۔ ناحق خوں ریزی سے اجتناب

۹۔ مظلوم مسلمانوں کی حمایت ۱۰۔ اسلامی ریاست کا تحفظ

ان زریں اصولوں کی بنیاد پر آپ ﷺ نے مصالحانہ اور مدافعانہ جہادی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ایسی مہمات کی کل تعداد اٹھاسی کے قریب بنتی ہے جن میں سے ستائیس یا اٹھائیس میں آپ ﷺ خود شریک ہوئے،نو غزوات میں جنگ ہوئی اور باقی اٹھارہ میں تلوار کے استعمال کا موقع ہی نہیں آیا۔بقیہ ساٹھ مہمات میں صحابہ کرام کو سپہ سالار بنایا گیا۔ان مہمات میں مؤرخین نے ان وفود کو بھی شامل کیا ہے جو دشمن کا حال معلوم کرنے، مصالحانہ کوشش کرنے،دشمن پر رعب ڈالنے یا مدافعانہ حکمت عملی کے اظہار کے لئے روانہ کئے گئے تھے(۶۳)۔

تمام لڑائیوں میں مخالفین کے قیدیوں کی کل تعداد ۶۵۶۴ بنتی ہے۔ان اسیران میں سے ۶۳۴۷ کو بغیر کسی شرط کے،اور ۷۰ کو فدیہ ادا کرنے پر رہا کر دیا گیا۔صرف دو کو ثابت شدہ مقدمہ قتل کے نتیجے کے طور پر قصاص میں قتل کیا گیا۔کل مقتولین کی تعداد ایک ہزار چودہ (۲۵۵ مسلمان شہداء اور ۷۵۹ مخالفین مقتول) بنتی ہے جن میں نصف مسلمانوں کے اور نصف مخالفین کے تھے(۶۴)۔تقریباً ۸ سال کی مہماتی زندگی میں تقریباً ہر مہینے میں ایک معرکہ درپیش رہا،جبکہ ہر ایک جنگ میں اوسطاً ۱۰ افراد کام آئے۔

اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ جب کسی کو سپہ سالار بنا کر بھیجتے تو اسے ہدایت فرماتے کہ دشمن کے سامنے تین چیزیں پیش کرنا اول اسلام، دوسرے جزیہ، تیسرے جنگ۔اگر وہ اسلام قبول کرلے تو پھر اس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔اگر جزیہ دے کر اطاعت قبول کرلے تو اس کی جان ومال پر کسی قسم کی تعدی نہ کرو لیکن اگر وہ اس سے بھی انکار کرے تو اللہ کی مدد مانگ کر جنگ کرو۔

داعئ اسلام نے محاربین (Belligerents) کو دو طبقوں میں تقسیم کیا: اهل قتال ۔۔۔جو عملاً جنگ میں شریک یا جنگ کرنے کے قابل افراد، غیر اهل قتال ۔عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، معذور، زخمی، مجنون، مذہبی راہنما اور بے ضرر لوگ۔۔۔اور یوں رسول خدا نے جنگ برائے جنگ کے تصور کو جنگ برائے امن میں تبدیل کر دیا۔تاریخ انسانی جنگوں کی خونی تاریخ سے بھری ہوئی ہے اور فاتح کا دشمن کی فوج کے حوالے سے جو رویہ رہا ہے اگر آج بھی ہم مطالعہ کریں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن اس حوالے سے بھی رسول خدا کا اسوہ منفرد نظر آتا ہے جو انسانیت کی تباہی کی بجائے انسانیت کی حفاظت کا زریں اصول پیش کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں جو اصلاحات متعارف کروائیں، جنگوں کی تاریخ میں کہیں ایسے اصولوں کا سراغ تک نہیں ملتا، جیسے مثال کے طور پر آپ کی درج ذیل ہدایات:(۶۵)

۱۔ غفلت (یا رات کے وقت نیند) کی حالت میں حملہ کرنے سے احتراز۔

۲۔ غیر اہل قتال اور مطالبہ کرنے والوں کو امان۔
۳۔ باندھ کر تکلیفیں دے دے کر دشمن کو مارنے پر پابندی۔
۴۔ لوٹ مار حرام ۵۔ تباہ کاری اور فساد انگیزی سے اجتناب۔
۶۔ آگ میں جلانے کی ممانعت۔ ۷۔ مثلہ (لاشوں کی بے حرمتی اور اعضاء کی قطع و برید) کی ممانعت۔
۸۔ اسیران جنگ، سفیروں، قاصدوں اور نمائندوں کے قتل کی ممانعت۔

یہ تھی رسول رحمت کی جنگی حکمت عملی! اس سلسلہ میں ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق ملاحظہ ہو:

عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح ہوا۔ جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی۔ اس طرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ مربع میل کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے جبکہ اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے' أنا نبي الرحمة أنا نبي الملحمة '۔۔۔اس کا اس سے بہتر ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ دشمن کے ستر آدمیوں کا مارا جانا (جنگ بدر میں) سب سے بڑی تعداد ہے! (٦٦)۔

انسانی دنیا ہمیشہ، صدیوں پر محیط بے مقصد خونریزی اور عصبیتوں کی بنیاد پر ہونے والی ہولناک تباہیوں کا شکار رہی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ جس دین کو لے کر آئے اس نے ناگزیر جنگ کو ایک پاکیزہ مقصد کے ساتھ وابستہ کر کے 'جہاد' کا نام دیا اور یوں انسانی تاریخ میں 'انسانیت کی محافظ' جنگوں کا بے مثال باب رقم کیا۔ انسانی لڑائیوں کو وحشیانہ بربریت سے پاک کر کے، جنگ کو انصاف کے حصول، ظلم کے استیصال اور فتنہ و شر کے خاتمہ کا ذریعہ بنا دیا۔

حاصل مطالعہ:

رسول آخر الزماں ﷺ کی بعثت سے چھ صدیاں قبل اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو آسمانی بادشاہت کا مژدہ جانفزا سنایا مگر یہودیت کے اجارہ دار طبقہ نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے اور ان کی دعوت کی تبلیغ کرنے والے یونان و روما تک پہنچے اور پانچویں صدی عیسوی میں عیسائیت کو سلطنت روما کا سرکاری مذہب قرار دلانے میں کامیاب بھی ہو گئے مگر آسمانی بادشاہت کا خواب اسلیے تشنۂ تکمیل رہا کہ عیسیٰؑ کی اصل تعلیمات صدیوں کے سفر میں کھو گئیں اور سینٹ پال کی مسیحیت رومی ملوکیت کی خوشہ چیں ہو گئی۔

پانچویں صدی کے مشہور عیسائی مفکر سینٹ آگسٹین (St Augustine) نے خدائی ریاست City of God کے نام اور تصور کیساتھ لاطینی زبان میں ایک کتاب لکھی جو قرون وسطیٰ کی مغربی تہذیب پر گہرے اثرات رکھنے کے باوجود عملاً کسی آسمانی بادشاہت کے قیام میں مدد نہ دے سکی۔ اس کتاب نے انسانی ریاست اور خدائی ریاست کا فرق بیان کرنے کی کوشش کی مگر دین و دنیا اور مذہب و ریاست کی تفریق کو ختم نہ کر سکی اور آخرت کی زندگی میں خدائی ریاست کی عملداری کے تصور تک محدود رہی، اور یوں دنیا کی زندگی میں انسانی فلاح کا کوئی جامع منصوبہ اور عملی نمونہ پیش نہ ہو سکا۔

رسول آخر الزماں ﷺ نے قرون وسطیٰ کے اس دور ظلمت کو روشنی میں بدل دیا اور قرآن مجید کی ہدایات الٰہی کی روشنی میں ایک

ایسی مثالی ریاست مدینہ میں قائم کی جو ایک نئے تہذیب وتمدن کی بنیاد بنی اور رہتی دنیا تک کے لیے مثال بن کے سامنے آئی۔ دس سال کے عرصہ میں تین مربع میل کے رقبہ سے بڑھ کر دس لاکھ مربع میل کے علاقے کو اپنے محیط میں لینے والی اس ریاست نے حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کیں جن کی تفصیل ہم نے ایک مختصر تحقیقی مطالعے کی شکل میں پیش کی ہے۔ انتظام ریاست کے نبوی منہج کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ ڈیڑھ ہزار سال گذر جانے کے باوجود وہ اصول ریاست جو رسول خداؐ نے انسانیت کو عطا کیے، آج بھی تازہ بہ تازہ نو بہ نو ہیں اور ہر شعبہ زندگی میں مشعل راہ بنے ہوئے ہیں۔

آپ ﷺ نے ریاست کے اندرونی معاملات میں جہاں قانون کی بالادستی، عدل وانصاف کی فراہمی، تہذیب وتمدن کی تعمیر و تطہیر اور فلاحی معاشرے کے قیام پر زور دیا وہاں ریاست کے بیرونی اور خارجہ معاملات میں بھی انسانیت کی حفاظت اور امن وسلامتی کو ترجیح اول بنایا۔ صلح کے ساتھ ساتھ جنگ کے آداب، اس میں اخلاقی حدود وقیود، محاربین کے باہم حقوق وفرائض، مقاتلین اور غیر مقاتلین کی تمیز اور ان کے حقوق، معاہدین اور اسیران جنگ کے ساتھ برتاؤ اور مفتوح قوموں کے ساتھ سلوک کے لئے واضح راہیں متعین کر دیں۔ اس طرح نہ صرف جنگ کے مقاصد تبدیل ہوئے بلکہ طریق جنگ بھی مکمل طور پر بدل گیا۔ جنگ میں ہر چیز جائز ہے، پر ایمان رکھنے والی خونخوار انسانیت کو، آپ ﷺ نے 'آداب جنگ' سکھا دیے۔

اسوۂ رسولؐ سے دور جدید کے حوالے سے جو فکر انگیز روشنی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے اپنے سماج اور اپنی خارجہ پالیسی میں رواداری، امن اور صلح وسلامتی کے بین الاقوامی معاہدوں کو بنیاد بنایا۔ آپؐ نے انسانوں کو تقسیم کرنے کی بجائے ملت آدم کے قیام پر توجہ مرکوز رکھی۔ اگر کسی ناگزیر جنگ کا سامنا کرنا پڑا تو اس میں سے امن وسلامتی کے سارے ممکنہ ذرائع کو پہلے ترجیح دی۔ مکی زندگی میں تشدد اور ظلم کے مقابلے میں صبر اور برداشت کا دامن نہیں چھوڑا، مدنی دور کے آغاز سے پہلے بیعت عقبہ کا معاہدہ کیا، قریش مکہ کے رویے کے خلاف کسی پرتشدد ردعمل کی بجائے ہجرت کا راستہ اختیار کیا، مدینہ پہنچ کر میثاق مدینہ سمیت حلیفی کے کئی معاہدے کیے، غزوۂ حدیبیہ کا انجام ایک بے مثال صلح کی صورت میں یقینی بنایا اور فتح مکہ کے موقع پر عفو ودرگذر اور امان دینے کے اصولوں کی مدد سے انسانیت کو جنگ کے خوفناک نتائج سے بچا لیا۔ بلاشبہ ریاست اسلامی کی تشکیل، استحکام اور ترقی کے یہ سنہرے اصول ایک لائحہ عمل پیش کرتے ہیں ان تمام اہل اخلاص کے لیے جو آج اسلامی ریاست کے قیام کے لیے سرگرم ہوں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الانبیاء۲۱:۱۰ ۲۔ النور۲۴:۵۵

۳۔ الحدید۵۷:۲۵

۴۔ تفصیل کیلئے دیکھیے: امام بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح (دارالسلام، ریاض۔۱۹۹۷ء)؛ کتاب مناقب الانصار، باب ہجرۃ النبیؐ، حدیث: ۳۸۹۷-۳۹۰۵

۵۔ المزمل۷۳:۸۔۱۰

۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی (اردو اکیڈمی، کراچی۔۱۹۸۷ء): ۲۶۳۔۲۸۲

۷۔ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (دارالفکر، بیروت۔۱۹۹۴ء):۱/۱۶۱،

٨. Philip K. Hitti, History of the Arabs, (New York-1968)p: 139-40, 116

۹۔ ایضا

۱۰۔ امام احمد بن حنبل، المسند (دارالاحیاء التراث العربی، بیروت۔۱۹۹۱ء):۶/۳۲۶؛ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی (لاہور۔۱۹۹۱ء):۱/۲۶۵۔۲۶۷،

۱۱ الاسراء۱۷:۸۰ ۱۲۔ عبدالملک ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (مصطفیٰ البابی، مصر۔۱۹۳۶ء) :۱/۱۱۲،

۱۳۔ محمد اسلم ملک، مدینہ کی قدیم تاریخ: نقوش، لاہور۔۱۹۸۴ء، رسول نمبر): ۲/۴۴۰

ابوایوب انصاریؓ کے اس مکان کے بارے میں ایک دلچسپ بات ہے۔ مؤرخین کے مطابق، حضرت ابوایوب انصاریؓ کو یہ مکان، خاندانی وراثت میں ملا تھا۔ یمن کا بادشاہ تبع بن اسعد ۷۰۰ سال قبل اسلام، ممالک شرقیہ کی تسخیر کرتے ہوئے یثرب میں بطور فاتح داخل ہوا۔ یہودی علماء کی اس پیشگوئی پر کہ یہ شہر نبی آخرالزمان ﷺ کا دارالہجرت بنے گا، اس نے نہ صرف اس شہر کو امان دی بلکہ مکہ میں کعبۃ اللہ پر غلاف (غالباً سب سے پہلا) چڑھانے کے لئے حاضری دی۔ محمد بن اسحاق کے مطابق شاہ تبع نے نبی آخرالزماں کے لئے ایک شاندار محل بنوایا اور ایک سربمہر تحریر آپ ﷺ کے نام چھوڑی اور اسے نسل در نسل منتقل کرنے کی وصیت کی۔ ابوایوب کو یہ محل اور خط اسی طرح وارثت میں ملا اور انہوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ شاہ تبع کے خط میں نبی آخرالزمان ﷺ پر ایمان لانے کی شہادت واضح اقرار کی صورت میں موجود ہے۔
(سید سلیمان ندوی، ارض القرآن (معارف پریس، اعظم گڑھ۔۱۹۵۵ء)

۱۴۔ تفصیل کیلئے دیکھیں: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم کے میدان جنگ: (مکتبہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن) : ۱۸ تا ۲۳

۱۵۔ البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان (نفیس اکیڈیمی۔کراچی، ۱۹۸۶ء) :۲۲، ۲۸، ۲۹،

۱۶۔ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱(II)/۷۲

تاریخی تحقیق نے جو قدیم ترین دساتیر دریافت کیے ہیں ان میں دستور مدینہ جدید تر، جامع اور محفوظ ہونے کے اعتبار سے بہت نمایاں مقام رکھتا ہے۔ قدیم سمیری تہذیب (عراق) کی شہری ریاست لاگاش کا قانون جو کہ اڑھائی ہزار سال قبل مسیح کی دستاویز ہے، مکمل دستیاب نہیں۔
تفصیل کے لیے دیکھیں: (Walter Wink, The Powers (Fortess Press-1992)

اسی طرح بابل کے حکمران حمورابی کا دستور جو دو ہزار قبل مسیح میں رائج تھا، مکمل اور جامع تحریری صورت میں محفوظ نہیں ہے، صرف چند قوانین پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے ملے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: (R. F. Harper, *Code of Hammurabi* (University of Chicago Press-1904)

تاہم مشہور رومن لاء جو کہ آپ کی بعثت سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل مکمل شائع ہو چکا تھا مگر اس کے ارتقاء اور تکمیل میں تین صدیاں صرف ہوئیں۔ تفصیلی تجزیے کے لیے دیکھیں: (W. Buckland, A Textbook of Roman Law (Cambridge University Press- 1993)

۱۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۸۱ ، ۷۵ تا ۹۶

مولانا صفی مبارکپوری لکھتے ہیں: اس معاہدہ کے ذریعے سے مدینہ اور اس کے اطراف کی ایک وفاقی حکومت بنی جس کا دارالحکومت مدینہ تھا اور جس کے سربراہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ جس میں کلمہ نافذ اور غالب حکمرانی مسلمانوں کی تھی۔ اس طرح مدینہ واقعۃً اسلام کا دارالحکومت بن گیا۔ (الرحیق المختوم، لاہور۔۱۹۹۵:۲۱۹)

۱۸۔ آل عمران۳:۲۶ ۱۹۔ امام احمد بن حنبل، المسند : ۱/۹۰۷

۲۰۔ النساء۴:۱۰۵ ۲۱۔ الاعراف:۱۵۷ ۲۲۔ النساء۴:۶۵

۲۳۔ امام راغب اصفہانی، المفردات (مصر۔۱۳۰۴ھ) :۱۳۴۔۱۳۵ ۲۴۔ الفتح۴۸:۱۰

۲۵۔ عبدالملک ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۱/۲۳۰،

۲۶۔ امام مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح (بیروت۔۱۹۸۱ء): کتاب الایمان: ۶۳

۲۷۔ امام ابو داؤد السجستانی، السنن (بیروت۔۱۹۸۱ء): ۲/۴۰۷، علامہ شبلی نعمانی نے زرقانی کے حوالے سے رسول کریمؐ کے مقرر کردہ عمال صحابہؓ کی درج ذیل فہرست مہیا کی ہے:

باذان بن ساسانؓ (یمن) شہر بن باذانؓ (صنعاء) الحزرمیؓ (کندہ وصدف) زیاد بن لبیدؓ (حضرموت) ابوموسیٰ اشعریؓ (عدن وغیرہ کا علاقہ) معاذ بن جبلؓ (جند) عمر بن حزمؓ (نجران) یزید بن ابی سفیانؓ (تیماء) عمر بن العاصؓ (عمان) علاء بن حضرمیؓ (بحرین) اور علی بن ابی طالبؓ (متولی اخماس یمن) (سیرۃ النبیؐ حصہ دوم (اعظم گڑھ۔۱۳۶۹ھ): ۶۷، ۶۸)

۲۸۔ البلاذری، فتوح البلدان: ۳۰ تا ۳۵، مؤرخین اور سیرۃ نگاروں نے ان محصلین کی فہرست دی ہے، مثال کے طور پر دیکھیں: شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، محولہ بالا: ۴/۲۳

۲۹۔ النساء۴: ۵۸ ۳۰۔ الحدید۵۷: ۲۵

۳۱۔ امام راغب اصفہانی، المفردات: ۵۴۔۲۵۳،

۳۲۔ ابن ہشام، السیرۃ: ۱/۳۴۱۔۳۴۴، امام ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال (مصر۔۱۹۸۱): ۹۷۔۱۹۳

۳۳۔ ابن ہشام، السیرۃ: ۱/۹۵۔۲۹۳، ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۱۵۸،

سیرۃ نگاروں نے لکھا ہے کہ رسول کریمؐ کی تجویز پر بارہ نقباء کا تقرر کیا گیا جن میں سے نو افراد قبیلہ بنو خزرج اور تین افراد قبیلہ اوس سے لیے گئے۔ نقباء کے نام درج ذیل ہیں:

اسعدؓ بن زرارہ، سعدؓ بن ربیع، عبداللہؓ بن رواحہ، رافعؓ بن مالک، براءؓ بن معرور، عبداللہؓ بن عمرو، عبادہؓ بن صامت، سعدؓ بن عبادہ، منذرؓ بن عمرو، اسیدؓ بن حضیر، سعدؓ بن خثیمہ، رفاعہؓ بن عبدالمنذر (ابن ہشام، السیرۃ: ۱/۴۴۴)

۳۴۔ ابن ہشام، السیرۃ: ۲/۶۲۔۹۶۱، شبلی، سیرۃ النبی: ۱/۷۶،

۳۵۔ علامہ ابن رشد، بدایۃ المجتہد (مصر۔۱۳۳۹ھ): ۲/۲۹۷، امام ترمذی، السنن (دار الفکر، بیروت۔۱۹۸۱ء): ۲/۱۵، امام ابو یوسف، کتاب الخراج (بیروت۔۱۹۷۹ء): ۱۳،

۳۶۔ امام ترمذی، السنن: ۵/۱۳، امام ابوداؤد، السنن: ۶/۲۳، امام بخاری، الجامع الصحیح (دار الاحیاء التراث العربی، بیروت۔۱۹۸۵ء): ۶/۴۸

۳۷۔ ابن ہشام، السیرۃ: ۲/۴۴۴، ابن اثیر، الکامل (دمشق۔۱۳۵۶ھ): ۲/۲۴۱، ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۱۷۵، ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۱۶ ۳۸۔ ایضا

۳۹۔ ابن ہشام، السیرۃ: ۲/۸۸۔۱۸۳

۴۰۔ ابن اثیر علی بن احمد، الکامل فی التاریخ (دمشق۔۱۳۵۶ھ): ۲/۲۴۱، ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۱۷۵

۴۱۔ ایضا

۴۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی (دار الاشاعت، کراچی۔۱۹۸۷ء): ۱۰۶

۴۳۔ متن قرآن سے استفادہ کے لیئے دیکھیں:

البقرہ: ۲۹، الزخرف: ۳۲، الجمعہ: ۱۰، البقرہ: ۶۰، ہود: ۶، النجم: ۳۹، القصص: ۷۷، البقرہ: ۱۶۸، ۱۸۸، التوبہ: ۳۴، ۳۵، الاعراف: ۳۱، المعارج: ۲۵، البقرہ: ۳۶، الحکاثر: ۸

۴۴۔ امام ابو یوسف، کتاب الخراج: ۲۰،

۴۵۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (بیروت۔۱۹۸۵ء): ۱/۴۳۶، البلاذری، فتوح البلدان: ۲۴ تا ۲۶؛ ابوعبید، کتاب الاموال: ۷۶۔۷۷، شبلی نعمانی، سیرۃ النبی: ۲/۸۳

۴۶۔ امام ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۷۷، ۴۷۔ ابن سعد، طبقات: ۱/۱۶۹

۴۸۔ امام ترمذی، السنن: ۲/۳۱ ۴۹۔ اس سلسلہ میں قرآنی ہدایات کے لئے دیکھیے:

البقرہ: ۱۸، ۲۸۳، المائدہ: ۹۰، النور: ۲۔۲۳، الھمزہ، آل عمران: ۱۸۰، التوبہ: ۳۴، بنی اسرائیل: ۲۹

۵۰۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (بیروت۔۱۹۸۵ء)، کتاب الوصایا: ۱/۲۸۲ تا ۳۹۰، ۳۱۴؛ ابن سعد، طبقات: ۱/۲۶۸، ابوعبید، کتاب الاموال: ۲۶۴

۵۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۷۲۔۲۶۸

۵۲۔ یہ اصول درج ذیل آیات سے ماخوذ ہیں:
النساء:۱،۳۲،۱۲۴، الروم:۲۱، النحل:۷۲، البقرہ:۲۲۸، النساء:۳۴،۱۹، الاحزاب:۳۳، النور:۳۰،۳۱، النساء:۷، البقرہ:۲۳۷، تحریم:۶،
الاعراف:۳۱، الاسراء:۲۱،۲۳،۲۴، البقرۃ:۱۸۷،۲۲۱،۲۳۳، النساء:۴،۳۶،۱۲۹

۵۳۔ اس سلسلہ میں نصوص قرآنی ملاحظہ ہوں: النساء۴:۷۔۱۳،۱۷۶،

۵۴۔ ملاحظہ ہوں قرآنی آیات: المائدۃ:۳، النساء:۲۳، الحج:۴۱، آل عمران:۱۰۴،

۵۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی:۱۷۶

۵۶۔ البستانی، محیط المحیط (بیروت۔۱۹۷۰ء):۳۵۸،

۵۷۔ نصوص قرآنی کیلئے ملاحظہ ہو: المائدۃ:۳۲، البقرۃ:۱۷۸، المائدۃ:۳۳
تفصیل کیلئے دیکھیں: ابن حجر، فتح الباری (مصر۔۱۹۵۹ء):۶۱/۱۵، صحیح مسلم:۴، کتاب الحدود:۳۱۱

۵۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ (بیروت۔۱۹۸۵ء):۱۴،۳۶،۸۰تا۸۲

۵۹۔ ایضا

۶۰۔ ابن سعد، طبقات:۱/۳۲۸۔۲۹۹

۶۱۔ ایضا

۶۲۔ امام شمس الدین سرخسی، المبسوط (بیروت۔۱۹۸۹ء):۱۰/۹۲، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی:۲۵۹

۶۳۔ ایضا

۶۴۔ یہ اصول درج ذیل آیات قرآنی سے ماخوذ ہیں:
المائدۃ:۳۲،۶۴، آل عمران:۱۔۴،۱۱۰، الانفال:۵۵تا۵۸،۶۰، البقرۃ:۹۴۔۱۹۰، الحج:۳۹،۴۰،۴۱، محمد:۴، النساء:۷۵،۹۱، احزاب
:۶۰،۶۱

۶۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی:۲۴۴

۶۶۔ قاضی سلمان منصور پوری، رحمۃ اللعالمین (شیخ غلام علی سنز، لاہور۔۱۹۴۶ء):۲/۲۶۵، نعیم صدیقی، محسن انسانیت (الفیصل، اردو بازار
لاہور۔۲۰۰۳ء): ۳۴۸

۶۷۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، الجہاد فی الاسلام (ترجمان القرآن، لاہور۱۹۹۵ء):۹۸۔۲۱۶

۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی:۲۴۴

عربی مضامین

HEC Recognized

Bi-Annual

AL-ADWA`

Dec. 2010 | Vol. XXV No. XXXIV

Multilingual Research Journal for Islamic Social Sciences

SHEIKH ZAYED ISLAMIC CENTRE
UNIVERSITY OF THE PUNJAB,
LAHORE-PAKISTAN